مشرق

کہانی میگزین

12 تا 18 اپریل 2026ء

"پتھر کے دور سے مشرق وسطیٰ کے سنہرے دور تک"

پاکستان کی ثالثی میں ایران......امریکہ جنگ بندی،
مگر کیا یہ عارضی مہلت دیرپا امن بن سکے گی؟

ٹرمپ کی ایران جنگ' فتح کے دعوے یا ایک مہنگی غلطی؟

ایران-امریکہ' اسرائیل جنگ میں آبنائے ہرمز
اتنی اہم کیوں ثابت ہو رہی ہے؟

ڈومزڈے پلین

وہ طیارہ جو جوہری حملے سے محفوظ رہ کر 7 دن لگاتار اڑان بھر سکتا ہے

انسانیت کا سب سے بنیادی اور لامتناہی بحران

ساجد خان
(لاہور بیورو)

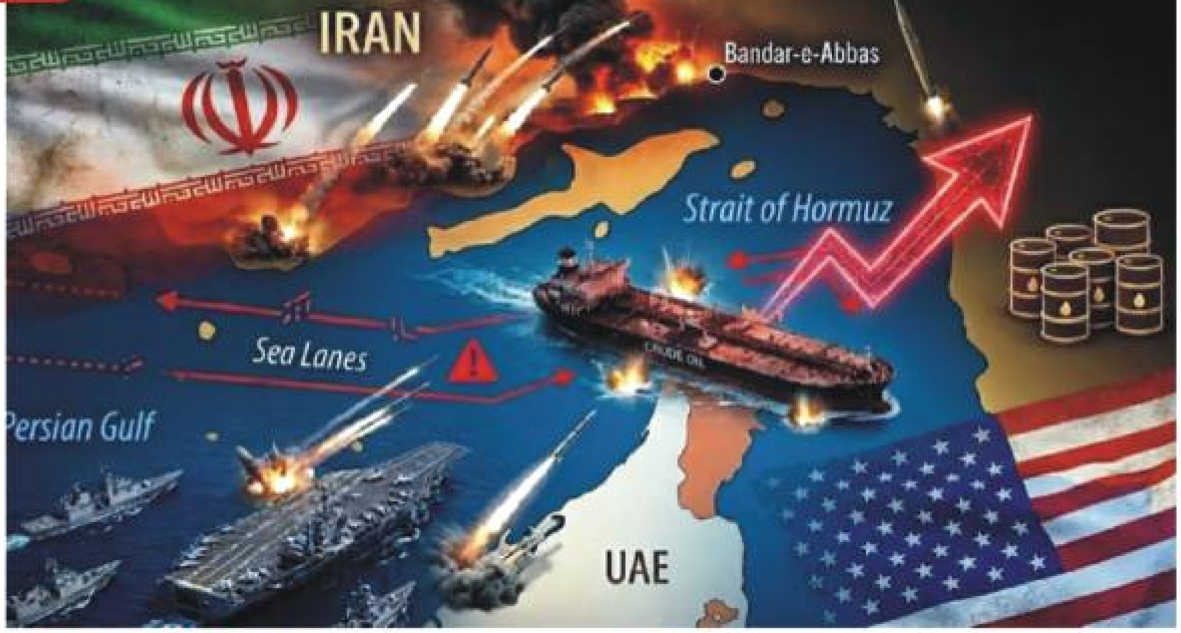

ٹرمپ کی ایران جنگ، فتح کے دعوے یا ایک مہنگی غلطی؟

15 نکاتی منصوبہ، نیتن یاہو کی خواہشات اور مشرق وسطیٰ میں تھم نہ سکنے والا تبدیلیوں کا سلسلہ، کیا امریکہ نے اپنے مقاصد حاصل کر لیے یا نئی الجھن پیدا کر دی؟

امریکہ نے ایران کے خلاف اپنی حالیہ جنگ میں اپنے اعلان کردہ مقاصد حاصل کر لیے ہیں یا یہ محض ایک اور فوجی مہم جوئی ہے جو مشرق وسطیٰ کے پیچیدہ جغرافیائی اور سیاسی منظر نامے میں ایک نئی الجھن کا اضافہ کر گئی ہے؟ یہ سوال آج عالمی سیاست کے تجزیہ کاروں، سفارتی حلقوں اور عوامی رائے کے مراکز میں سب سے زیادہ زیر بحث ہے، جبکہ پینٹاگون کی چمکدار پریس بریفنگز اور وائٹ ہاؤس کے بیانات میں امریکی فوجی برتری کی دھوم دھڑکے مچائی جا رہی ہے۔ صدر ڈونلڈ ٹرمپ کا 15 نکاتی منصوبہ، جو لیک ہونے والے حصوں کی بنیاد پر ایک طرفہ دباؤ کی دستاویز لگتا ہے، اور اسرائیلی وزیر اعظم بنیامین نیتن یاہو کی وہ خواہش جو مشرق وسطیٰ میں تبدیلیوں کے سلسلے کو ہمیشہ زندہ رکھنے کا عزم رکھتی ہے، دونوں مل کر ایک ایسے بیانیے کو جنم دے رہے ہیں جس میں فتح کے دعووں کے باوجود حقیقت کی تلخی چھپی ہوئی ہے۔ گزشتہ چند ہفتوں میں، جب امریکی اور اسرائیلی طیاروں نے ایران کی فضاؤں کو موت اور تباہی سے بھر دیا، تو دنیا نے دیکھا کہ یہ جنگ نہ صرف جوہری تنصیبات کی تباہی کا نام تھی بلکہ ایک بڑی جغرافیائی اور معاشی تبدیلی کا پیش خیمہ بھی تھی، جس کے طویل مدتی اثرات ابھی تک سامنے آنے والے ہیں۔ پینٹاگون کے اندر سیکریٹری دفاع پیٹ ہیگسیتھ کی وہ پریس بریفنگز، جو ٹیلی ویژن کی ایک طرفہ گفتگو کی مانند لگتی تھیں، امریکی فوج کی طاقت کو سراہنے کا ذریعہ بنیں، مگر ان کے پیچھے چھپے ہوئے نقصانات، سیاسی دراڑیں اور عالمی اتحادوں کی کمزوریوں کو سمجھنے کے لیے گہری جانچ پڑتال کی ضرورت ہے۔ کیا یہ جنگ امریکی مقاصد کی تکمیل کا اعلان تھی یا ایک ایسا کھیل جس میں فاتح اور مغلوب دونوں ایک دوسرے سے جڑے ہوئے ہیں، جہاں ایران کی مزاحمت نے نہ صرف فوجی طاقت بلکہ معاشی ہتھیاروں کا بھی مظاہرہ کیا؟

جنگ کے آغاز سے لے کر اب تک کی صورتحال پر نظر ڈالیں تو امریکی قیادت کا بنیادی مقصد ایران کو جوہری ہتھیار بنانے کی صلاحیت سے محروم کرنا تھا، ایک ایسا ہدف جو برسوں سے امریکی خارجہ پالیسی کا حصہ رہا ہے اور جسے یہ جنگ دراصل ایران کو جوہری پروگرام سے دور کرنے کے بجائے اسے مزید مضبوط عزم کی طرف دھکیل رہی ہے، خاص طور پر جب تہران اسلام آباد میں متوقع مذاکرات میں اپنا سخت موقف برقرار رکھے ہوئے ہے۔ امریکی حکام کی جانب سے یہ کہا جا رہا ہے کہ اب دونوں ممالک مل کر گہرائی میں دبی ہوئی تمام جوہری 'دھول' کو کھود نکالیں گے، مگر یہ بات نظر انداز نہیں کی جا سکتی کہ ایران کی قیادت، جو حملوں کے باوجود ڈٹی ہوئی ہے، اب جوہری صلاحیت کو اپنی بقا کا ضامن سمجھ رہی ہے اور ممکنہ طور پر مستقبل میں اسے مزید تیز کرنے کا فیصلہ کر سکتی ہے۔ یہ منظر نامہ نہ صرف مشرق وسطیٰ کی سلامتی کو متاثر کر رہا ہے بلکہ عالمی طاقت کے توازن کو بھی تبدیل کر رہا ہے، جہاں چین اور روس جیسے مخالفین اس خلا سے فائدہ اٹھانے کے لیے تیار بیٹھے ہیں۔

ایرانی اسلحے کے ذخیرے اور روایتی فوجی قوت کے حوالے کی ماراے لاگو رہائش گاہ سے جاری کیے گئے بیانات میں حکومت کی تبدیلی کا مطالبہ بھی شامل تھا، جہاں انھوں نے ایرانی عوام سے کہا تھا کہ بمباری رک جانے کے بعد وہ اپنی حکومت کا کنٹرول سنبھال لیں، مگر آیت اللہ علی خامنہ ای کی شہادت کے باوجود ان کے بیٹے مجتبیٰ کی جانشینی نے حکومت کو مزید مستحکم کر دیا۔ یہ نئی قیادت، جو ٹرمپ کے بقول کم انتہا پسند اور زیادہ ذہین ہے، دراصل ایک مضبوط پاسداران انقلاب پر مبنی نظام کی عکاسی کرتی ہے جو نہ صرف بچ گئی بلکہ مزاحمت کا نیا بیانیہ بھی پیش کر رہی ہے۔ وینزویلا کی طرح مادورو کی گرفتاری والا ماڈل یہاں ناکام ہوا، کیونکہ

معیشت پر بوجھ بن رہا ہے۔ ہیگسیتھ کی بریفنگز میں فضائی مہم کی بروقت تکمیل اور تہران کو ہتھیار ڈالنے پر مجبور کرنے کا ذکر کیا جاتا ہے، مگر عوامی سروے یہ بتاتے ہیں کہ امریکی عوام کی ایک اقلیت ہی اس جنگ کی حمایت کرتی ہے۔ کانگریس میں ری پبلکن حمایت تو موجود ہے مگر ڈیموکریٹس کی جانب سے میناب میں اسکول پر حملے کی تحقیقات کا

کرنے کے راستے تلاش کر رہے ہیں۔ یہ خلا چین کے لیے معاشی اور سٹریٹجک فائدہ ثابت ہو رہا ہے، جو مشرق وسطیٰ میں اپنا اثر و رسوخ بڑھا رہا ہے۔ ایران کی جانب سے آبنائے ہرمز کو بند کر کے عالمی معیشت پر دباؤ ڈالنے کی حکمت عملی نے امریکی منصوبہ بندی کی کمزوری کو عیاں کر دیا، جہاں روزانہ لاکھوں بیرل تیل گزرنے والا یہ راستہ ایران کا سب سے طاقتور ہتھیار بن گیا۔ ایران نے اسے نہ صرف جنگ بندی کا ذریعہ بنایا بلکہ ٹول ٹیکس وصول کر کے اربوں ڈالر کمانے کا موقع بھی حاصل کر لیا، جو خلیجی ریاستوں کے لیے شدید تشویش کا باعث ہے۔ حوثیوں کی باب المندب کو بند کرنے کی صلاحیت نے صورتحال کو مزید پیچیدہ کر دیا، جبکہ سعودی عرب کو متبادل راستوں کی تلاش میں پائپ لائنز کا سہارا لینا پڑ رہا ہے۔ یہ سب کچھ بتاتا ہے کہ ٹرمپ کا 15 نکاتی منصوبہ، جو حکومت کی تبدیلی، جوہری پروگرام کی تباہی اور علاقائی استحکام کا دعویٰ کرتا ہے، دراصل ایک غیر پائیدار فوجی کامیابی پر مبنی ہے جس کے طویل مدتی نتائج ابھی سامنے نہیں آئے۔

پاکستان میں ہونے والے جنگ بندی مذاکرات اس جنگ کا سب سے اہم موڑ ہیں، جہاں دونوں فریقوں کے درمیان عدم اعتماد اور متضاد موقف رکاوٹ بن رہے ہیں۔ ٹرمپ کا 15 نکاتی منصوبہ ایک ہتھیار ڈالنے کی دستاویز لگتا ہے جبکہ ایران کا 10 نکاتی منصوبہ ان مطالبات پر مبنی ہے جو امریکہ ہمیشہ مسترد کرتا آیا ہے۔ آبنائے ہرمز کو دوبارہ کھولنا، جوہری صلاحیتوں پر بات چیت اور پابندیوں کے خاتمے جیسے مسائل پر اتفاق نہ ہونے کی صورت میں جنگ کی واپسی کا خطرہ موجود ہے۔ ایرانی حکومت، جو شہری انفراسٹرکچر کے نقصان کے باوجود ڈٹی ہوئی ہے، اسے اپنی پوزیشن مضبوط کرنے کا موقع سمجھ رہی ہے، جبکہ ٹرمپ کو برطانیہ کے بادشاہ چارلس کے دورے، شی جن پنگ سے ملاقات اور وسط مدتی انتخابات کی وجہ سے جنگ ختم کرنے کی جلدی ہے۔ نیتن یاہو کی خواہش، جو لبنان پر حملوں کو جاری رکھنے

ٹرمپ نے 2015 کے جوائنٹ کمپری ہینسو پلان آف ایکشن کو کمزور قرار دے کر طاقت کے استعمال کا راستہ اختیار کیا۔ تاہم، آج جب اصفہان، فردو اور نطنز جیسی تنصیبات ملبے کا ڈھیر بن چکی ہیں، تو بھی ایران کا افزودہ یورینیم کا ذخیرہ، جو ملبے کے نیچے گیس سلنڈروں میں محفوظ ہے، برقرار ہے اور عالمی جوہری نگرانی ادارے آئی اے ای اے کے سربراہ رافیل گروسی کے بقول، جوہری عزائم کا کوئی فوجی حل ممکن نہیں۔ یہ حقیقت ٹرمپ کے اس دعوے کو چیلنج کرتی ہے کہ ایران کی جوہری صلاحیتیں مکمل طور پر تباہ ہو چکی ہیں، بلکہ یہ تجزیہ کاروں کو یہ سوچنے پر مجبور کرتی ہے کہ کیا

سے ٹرمپ انتظامیہ کے بلند بانگ دعوے بھی حقیقت سے کوسوں دور نظر آتے ہیں۔ پینٹاگون کا کہنا ہے کہ میزائلوں، لانچرز، ڈرونز، اسلحہ ساز فیکٹریوں اور بحریہ کو مکمل طور پر ختم کر دیا گیا ہے، مگر لیک ہونے والی انٹیلی جنس رپورٹس اس دعوے کو چیلنج کرتی ہیں کہ ایران اب بھی اپنے پرانے ذخیرے کا تقریباً نصف حصہ برقرار رکھے ہوئے ہے۔ یہ فرق نہ صرف فوجی تجزیہ کاروں کے لیے اہم ہے بلکہ یہ بتاتا ہے کہ جنگ کی پیش رفت ایک طرفہ بیانیے کی بجائے ایک پیچیدہ حقیقت پر مبنی ہے، جہاں ایران نے شورش پسندانہ حکمت عملی اپنا کر امریکی فوجی برتری کو کمزور کیا ہے۔ ٹرمپ

تہران میں کوئی بڑی بغاوت یا تبدیلی نظر نہیں آئی، بلکہ عوام، جو انٹرنیٹ بلیک آؤٹ اور بمباری کے صدمے سے گزر رہے ہیں، حکومت کی طرف مزید جھکاؤ رکھتے نظر آ رہے ہیں۔

جنگ کی قیمت کا جائزہ لیتے ہوئے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ امریکی فوج نے جو کچھ حاصل کیا اس کی قیمت نہ صرف انسانی جانوں بلکہ اربوں ڈالر کی لاگت اور سیاسی تقسیم کی صورت میں ادا کی جا رہی ہے۔ اب تک 13 امریکی فوجی ہلاک اور سینکڑوں زخمی ہو چکے ہیں، جبکہ روزانہ ایک ارب ڈالر سے زائد کی لاگت، ٹوماہاک میزائلوں کی بے تحاشا استعمال اور اسلحے کا تیزی سے ختم ہونا امریکی

مطالبہ، جس میں 168 افراد ہلاک ہوئے جن میں 110 بچے شامل تھے، ٹرمپ انتظامیہ کو سیاسی طور پر کمزور کر رہا ہے۔ یہ واقعہ، اگر امریکی میزائل کا نتیجہ ثابت ہوا تو حالیہ برسوں کا سب سے بڑا شہری ہلاکتوں والا سانحہ ہوگا، جو 'میک امریکہ گریٹ اگین' تحریک کے اندر دراڑیں پیدا کر رہا ہے۔ ٹکر کارلسن، مارجوری ٹیلر گرین اور دیگر بااثر شخصیات کی مخالفت، جو اسے 'برائی' قرار دے رہی ہیں، یہ ظاہر کرتی ہے کہ ٹرمپ کی اپنی بنیادوں میں بھی عدم استحکام پیدا ہو چکا ہے۔ نومبر کے وسط مدتی انتخابات میں ری پبلکنز کے لیے یہ بھاری قیمت ثابت ہو سکتی ہے، خاص طور پر جب آبنائے ہرمز کی بندش کی وجہ سے پیٹرول کی قیمتیں آسمان چھو رہی ہیں اور مہنگائی کا بوجھ عوام پر پڑ رہا ہے۔

امریکی اتحادیوں کے ساتھ تعلقات کی تضحیک بھی اس جنگ کا ایک تلخ پہلو ہے، جہاں ٹرمپ نے نیٹو کو بار بار 'بزدل' قرار دیا اور اتحادیوں سے مدد کا مطالبہ کرتے ہوئے بھی انھیں تنقید کا نشانہ بنایا۔ نیٹو سیکریٹری جنرل مارک روٹے کے ساتھ 'صاف گو' بات چیت نے اتحاد کی کمزوری کو مزید نمایاں کیا، جبکہ یورپی ممالک اب امریکی طاقت پر انحصار کم

اور حزب اللہ کو ختم کرنے پر مبنی ہے، مذاکرات کو مزید پیچیدہ بنا رہی ہے۔ اسرائیل کی جانب سے بیروت میں 300 سے زائد ہلاکتوں والے حملے نے جنگ بندی کے اطلاق پر تنازع پیدا کر دیا، جہاں ایران اور پاکستان کا موقف ہے کہ یہ لبنان پر بھی لاگو ہونا چاہیے مگر امریکہ اور اسرائیل اس کی تردید کر رہے ہیں۔ یہ الجھن ٹرمپ کی حکمت عملی کی عکاسی کرتی ہے، جو ایک طرف فتح کا اعلان کر رہے ہیں تو دوسری طرف علاقائی اتحادیوں کی جارحیت کو کنٹرول نہیں کر پا رہے۔

مشرق وسطیٰ کی جغرافیائی سیاست میں یہ جنگ ایک نئی فصل کا آغاز ہے، جہاں ایران کی حکومت کی بقا اور اس کی مزاحمت نے امریکی اور اسرائیلی فوجی کامیابیوں کو سٹریٹجک برتری میں تبدیل ہونے سے روک دیا ہے۔ خلیجی ریاستوں نے اپنی جدیدیت اور کاروباری مراکز بنانے کی جو حکمت عملی اپنائی تھی وہ ایرانی حملوں سے متاثر ہوئی، اور اب وہ امریکی اتحاد پر نظر ثانی کر رہے ہیں۔ چین اور روس اس خلا سے فائدہ اٹھا رہے ہیں، جبکہ ایرانی عوام، جو بمباری، ہلاکتوں اور انٹرنیٹ بلیک آؤٹ سے گزر رہے ہیں، مستقبل کے بارے میں صرف اتنا جانتے ہیں کہ آنے والا وقت سخت ہوگا۔ (باقی صفحہ 15 پر)

معدنیات کی جنگ... انسانیت کا سب سے بنیادی اور لامتناہی بحران

امریکہ، چین اور یورپ کا عالمی کھیل، دنیا بھر کے کمیاب معدنیاتی ذخائر، تیل اور خام مال کی جنگ: چین کی برتری اور دیگر ممالک کی حیثیت

بلوچستان ڈائری
جعفر خان ترین

آج کی دنیا میں جہاں ہر طاقتور ملک قدرتی وسائل پر زیادہ سے زیادہ قبضہ اور کنٹرول حاصل کرنے کی تگ و دو میں مصروف ہے، وہاں انسانیت کا سب سے بنیادی مسئلہ کمیاب وسائل اور ان وسائل کی وجہ سے پیدا ہونے والے بے شمار تنازعات اور مسائل کی جڑیں گہری ہوتی جا رہی ہیں۔ انسان ہو یا معاشرہ، قوم ہو یا ریاست، علاقائی اتحاد ہو یا عالمی طاقتیں، سب ایک ہی حقیقت کا شکار ہیں کہ وسائل محدود ہیں جبکہ ضروریات لامتناہی۔ یہ کمی نہ صرف روزمرہ زندگی کو متاثر کرتی ہے بلکہ عالمی سطح پر کشمکش، لڑائیاں، خانہ جنگیاں اور طویل مدتی جنگیں بھی اسی ایک بنیادی مسئلے سے جنم لیتی ہیں۔ تاریخ کے ہر دور میں دیکھا جا سکتا ہے کہ وسائل کی جنگ نے سلطنتوں کو جنم دیا، سلطنتوں کو تباہ کیا اور نئی طاقتوں کو ابھارا۔ آج کی جدید دنیا میں قدرتی وسائل کی اہمیت اس قدر بڑھ چکی ہے کہ توانائی کی مسلسل ضرورت، صنعتی خام مال، جدید ٹیکنالوجیز اور مستقبل کی سبز توانائی سب اسی پر منحصر ہیں۔ امریکہ، چین، جاپان، برطانیہ، یورپی یونین، کینیڈا، برازیل، بھارت اور دیگر ترقی یافتہ اور ترقی پذیر ممالک کو نہ صرف تیل اور گیس بلکہ ان معدنیات کی بھی بہت بڑی مقدار درکار ہے جو سٹیل، الیکٹرانکس، دفاعی سازوسامان، برقی گاڑیوں، ونڈ ٹربائنز، سمارٹ فونز، ڈرونز، روبوٹس، میڈیکل آلات اور ہر اس چیز کی بنیاد ہیں جو جدید تہذیب کو چلاتی ہے۔ یہ ضرورت مستقل ہے اور اس لیے سپلائی لائنز کو ہر ممکن طریقے سے محفوظ رکھنا ہر بڑی طاقت کی ترجیح بن چکا ہے۔ اگر سپلائی میں کوئی رکاوٹ آئے تو پوری معیشت لڑکھڑا سکتی ہے، صنعتیں بند ہو سکتی ہیں اور قومی سلامتی خطرے میں پڑ سکتی ہے۔ اسی لیے ہم دیکھتے ہیں کہ دنیا بھر میں جو بھی تنازعہ ہو رہا ہے، چاہے وہ یوکرین کی جنگ ہو، مشرق وسطی کی آگ ہو، افریقہ کی خانہ جنگیاں ہوں یا ایشیا کے مختلف علاقوں میں چھوٹی بڑی جھڑپیں، ان سب کی جڑیں وسائل کی اسی جنگ میں پیوست ہیں۔ ایک زمانہ تھا جب جنگ اور امن کے درمیان واضح فرق تھا، جنگ کے بعد امن کی تیاری ہوتی تھی، مگر اب تو پورا عالم جنگ کی سی کیفیت میں مبتلا ہے۔ ہر ملک محاذ پر کھڑا ہے، چھوٹی ریاستیں اپنی سلامتی بچانے کی جنگ لڑ رہی ہیں جبکہ بڑی طاقتیں اپنی برتری برقرار رکھنے کے لیے وسائل پر قبضہ کرنے کی دوڑ میں لگی ہیں۔ یہ صورتحال صرف عسکری نہیں بلکہ معاشی، سیاسی اور سفارتی محاذوں پر بھی پھیلی ہوئی ہے جہاں ٹیرف، پابندیاں، سرمایہ کاری اور سفارتی دباؤ سب ایک ہی مقصد کے لیے استعمال ہو رہے ہیں: زیادہ سے زیادہ معدنیات اور توانائی حاصل کرنا اور حریفوں کو اس سے محروم رکھنا۔

اس جنگ کی ایک اہم جہت تیل اور روایتی معدنیات کی ہے جو صدیوں سے عالمی سیاست کا مرکزی نقطہ رہے ہیں۔ امریکہ، چین اور یورپ جیسے بڑے کھلاڑیوں نے افریقہ، مشرق وسطی اور لاطینی امریکہ جیسے علاقوں میں اپنی موجودگی کو وسائل کے حصول کے لیے استعمال کیا ہے۔ چین نے افریقہ میں بڑے پیمانے پر سرمایہ کاری کر کے معدنیات کے ذخائر پر قبضہ یقینی بنایا ہے، وہاں کے وسیع علاقوں پر معاہدوں کے ذریعے کنٹرول حاصل کر لیا ہے اور ساتھ ہی خلیجی ممالک سے تیل کی مسلسل سپلائی کے لیے معاہدے کیے ہیں۔ دوسری طرف امریکہ اور یورپ مل کر چین کی راہ روکنے کی کوشش کر رہے ہیں، اگرچہ یورپ اس معاملے میں زیادہ پرجوش نہیں مگر پھر بھی چین کے زور کو کم کرنے کی خواہش رکھتا ہے بغیر کسی براہ راست عسکری تصادم میں پھنسنے کے۔ ایران پر حملوں، مشرق وسطی میں تیل کی سپلائی کو کنٹرول کرنے کی کوششوں اور اسرائیل کی حمایت کو بھی اسی تناظر میں دیکھنا چاہیے۔ عراق اور لیبیا کی تباہی، وینزویلا پر دباؤ، روس اور ایران سے تیل خریدنے والے ممالک پر پابندیاں سب اسی حکمت عملی کا حصہ ہیں کہ حریف طاقتوں کو خام مال سے محروم رکھا جائے۔ عمران خان جب روس سے تیل خریدنے کی بات کر رہے تھے تو اقتدار سے ہاتھ دھو بیٹھے، یہ سب بتا رہا ہے کہ وسائل کی جنگ کتنی گہری ہے۔ امریکہ اور مغربی ممالک پسماندہ ممالک کے قدرتی وسائل پر تصرف کے لیے آئی ایم ایف، ورلڈ بینک جیسے اداروں کا استعمال کرتے ہیں جبکہ چین دولت کی طاقت سے سرمایہ کاری کرتا ہے۔ یہ دونوں طریقے ایک ہی مقصد کے لیے ہیں مگر نتائج مختلف ہیں۔ ترقی پذیر ممالک میں خام تیل صاف کرنے والے کارخانے لگانے سے روزگار پیدا ہوتا ہے، کچرے سے نئی مصنوعات بنتی ہیں اور معیشت مضبوط ہوتی ہے مگر مغربی دباؤ اکثر ان ممالک کو اپنے وسائل آزادانہ استعمال کرنے سے روکتا ہے۔ افریقہ میں خانہ جنگیاں، ایشیا میں عسکریت پسند گروپس کی سرگرمیاں اور لاطینی امریکہ میں سیاسی عدم استحکام سب اسی وسائل کی جنگ کا نتیجہ ہیں جہاں بڑی طاقتیں اندرونی کمزوریاں پیدا کر کے وسائل پر قبضہ کر لیتی ہیں۔ تاریخ گواہ ہے کہ دوسری عالمی جنگ میں ایٹم بموں کا استعمال بھی وسائل کی جنگ کا حصہ تھا اور آج بھی ایٹمی ہتھیاروں کی دوڑ جاری ہے کیونکہ طاقت کا مظاہرہ ہی وسائل کی حفاظت کر سکتا ہے۔ زمینی، سمندری اور فضائی جنگوں کے بعد اب خلائی اور سائبر جنگ بھی اسی وسائل کی حفاظت اور حصول کے لیے لڑی جا رہی ہے۔ آج کی جنگ خالص کاروباری بن چکی ہے جہاں جیو پالیٹکس وسائل کے حصول کا کھیل ہے۔

اب یہ جنگ ایک نئی شکل اختیار کر چکی ہے جو کمیاب معدنیات (ElementsEarthRare) پر مبنی ہے، جو جدید ٹیکنالوجی، سبز توانائی اور دفاعی شعبے کی ریڑھ کی ہڈی ہیں۔ 1787 میں سویڈن کے ایک فوجی افسر نے ان کی اہمیت کا اندازہ لگایا تھا اور 1803 میں جرمنی میں سیریم کی دریافت ہوئی، پھر آہستہ آہستہ نیوڈیمیم، لانتھانیوم، ڈسپروسیم، ٹربیم، یوروپیم، پراسوڈیمیم، سماریم، گیڈولینیم اور دیگر کی دریافت ہوئیں۔ یہ معدنیات الیکٹرانکس، ڈرونز، روبوٹس، سمارٹ فونز، برقی گاڑیوں، بیٹریوں، ایل ای ڈی لائٹس، ایٹمی بھٹیوں، سینسرز، جنگی جہازوں، مواصلاتی سیاروں، ہوا سے بجلی بنانے والے پلانٹس، ادویات اور کاسمیٹکس تک ہر جگہ استعمال ہوتی ہیں۔ دنیا بھر میں ان کے کل ذخائر تقریباً 13 کروڑ ٹن ہیں اور صرف 36 ممالک میں موجود ہیں جن

میں
سے آدھے
کے پاس 2 فیصد
سے بھی کم ہیں۔ چین

کے پاس 4 کروڑ 40 لاکھ ٹن، برازیل میں 2 کروڑ 10 لاکھ ٹن، بھارت میں 69 لاکھ ٹن، آسٹریلیا میں 57 لاکھ ٹن، روس میں 38 لاکھ ٹن، ویتنام میں 34 لاکھ ٹن، امریکہ میں 19 لاکھ ٹن، کینیڈا میں 15 لاکھ ٹن اور تنزانیہ میں 10 لاکھ ٹن ہیں۔ سب سے کمیاب معدنیات میں کیاتھوآئٹ (Kyawthuite) شامل ہے جو میانمار میں صرف ایک نمونے کی صورت میں پایا گیا۔ نیوڈیمیم برقی گاڑیوں، ونڈ

ملز، ہیڈفونز، پہلے شیشے اور ویلڈنگ میں استعمال ہوتا ہے۔ سیریم ڈیزل میں ملا کر دھواں کم کرتا ہے، شیشہ پالش کرتا ہے، ایلومینیم، سٹیل اور لائٹرز، ٹی وی، فلورسنٹ لائٹس اور جلنے والوں کے مرہم میں کام آتا ہے۔ لانتھانیوم شیشہ، بیٹریاں، تیل صاف کرنے والے پلانٹس، سٹیل کی مضبوطی، بجلی کے آلات اور گردوں کی ادویات میں استعمال ہوتا ہے۔ ڈسپروسیم، ٹربیم، یوروپیم اور دیگر بھی اعلی درجے کی ٹیکنالوجی میں ناگزیر ہیں۔ یہ معدنیات نہ صرف سولر پینلز، برقی گاڑیوں اور توانائی ذخیرہ کرنے والے آلات میں بلکہ دفاعی سازوسامان اور ماس ٹرانزٹ سسٹم میں بھی بنیادی کردار ادا کرتی ہیں۔ ترقی یافتہ ممالک ان کی تحقیق پر اربوں ڈالر خرچ کر رہے ہیں کیونکہ مستقبل کی معیشت انہی پر منحصر ہے۔

چین نے ان کمیاب معدنیات کے حصول میں جو حکمت عملی اپنائی ہے وہ دولت اور سرمایہ کاری پر مبنی ہے جبکہ امریکہ طاقت اور پابندیوں کا استعمال کر رہا ہے۔ چین افریقہ میں بڑے پیمانے پر سرمایہ کاری کر کے معدنیات حاصل کر رہا ہے، منگولیا اور میانمار سے بھی روابط مضبوط کر رہا ہے اور اپنے پاس موجود بڑے ذخائر کو صنعتی استعمال کے لیے بروئے کار لا رہا ہے۔ یہ اس کی ترقی کا ایک بڑا راز ہے۔ دوسری طرف امریکہ، یورپ اور ان کے اتحادی چین کی راہ میں رکاوٹیں کھڑی کرنے کے لیے ٹیرف، پابندیاں اور عالمی اداروں کا نیٹ ورک استعمال کر رہے ہیں۔ عراق، لیبیا اور وینزویلا جیسے ممالک میں خانہ جنگیاں اور سیاسی تباہی وسائل پر قبضے کے لیے رچائی گئی تھیں۔ پاکستان، بنگلہ دیش، بھوٹان اور نیپال جیسے ممالک میں بھی کچھ ذخائر ہیں مگر ان کی اہمیت محدود ہے۔ یہ دوڑ اتنی شدت اختیار کر چکی ہے کہ جیو پالیٹکس کا سب سے تازہ ترین پہلو اب کمیاب معدنیات بن چکا ہے۔ امریکہ نے انہیں اسٹریٹجک سلامتی سے جوڑ دیا ہے اور چین سے بھی کچھ معدنیات خریدتا ہے مگر ٹیرف کے ہتھیار کو ایک طرف رکھ کر۔ بڑی طاقتیں جانتی ہیں کہ جو ان معدنیات پر کنٹرول کرے گا وہی مستقبل کی ٹیکنالوجی، توانائی اور فوج پر غلبہ رکھے گا۔

آخرکار یہ معدنیات کی جنگ نہ صرف موجودہ نسل بلکہ آنے والی نسلوں کے مستقبل کو بھی متاثر کر رہی ہے۔ جہاں ایک طرف سبز توانائی، جدید صنعت اور جدید زندگی کے لیے ان کی ضرورت بڑھ رہی ہے وہاں دوسری طرف وسائل کی اس دوڑ نے دنیا کو مستقل جنگ کی کیفیت میں ڈال دیا ہے۔ افریقہ، ایشیا اور لاطینی امریکہ کے پسماندہ علاقوں میں خانہ جنگیاں، عسکریت پسندی اور عدم استحکام اسی جنگ کا نتیجہ ہیں۔ بڑی طاقتیں اپنی بقا کے لیے چھوٹے ممالک کے وسائل پر قبضہ کر رہی ہیں جبکہ چھوٹے ممالک اپنی سلامتی بچانے کی جنگ لڑ رہے ہیں۔ تاریخ بتاتی ہے کہ وسائل کی جنگ نے کبھی امن نہیں لایا بلکہ صرف نئی جنگیں پیدا کی ہیں۔ اگر عالمی برادری نے اس معاملے کو سمجھ کر منصفانہ تقسیم اور پائیدار استعمال کی طرف نہ بڑھا تو مستقبل میں یہ تنازعات مزید شدید ہو سکتے ہیں۔ انسانی فطرت کی کمزوری، طاقت کی ہوس اور وسائل کی کمی نے مل کر ایک ایسا عالمی منظر نامہ بنا دیا ہے جہاں امن صرف ایک خواب لگتا ہے اور جنگ روزمرہ حقیقت۔ مگر امید یہی ہے کہ دانشمند قومیں اس جنگ کو سمجھتے ہوئے تعاون کی راہ اختیار کریں گی تاکہ وسائل سب کے لیے کافی ہوں اور دنیا ایک بہتر جگہ بن سکے۔ یہ معدنیات کی جنگ نہ صرف معاشی ہے بلکہ اخلاقی، سیاسی اور انسانی بھی ہے اور اس کا حل صرف مشترکہ ذمہ داری میں مضمر ہے۔ O

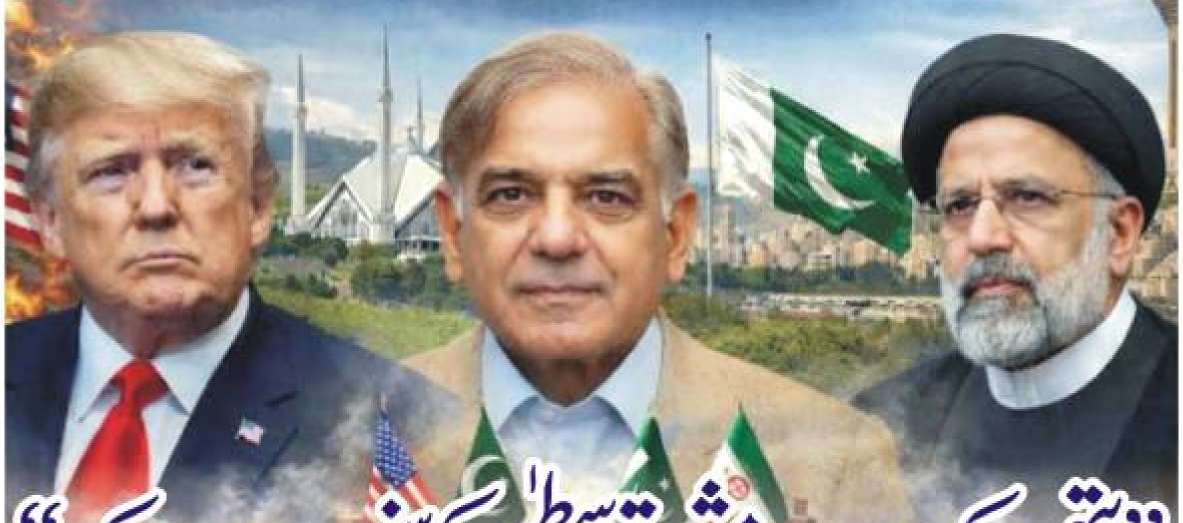

”پتھر کے دور سے مشرق وسطیٰ کے سنہرے دور تک“

پاکستان کی ثالثی میں ایران......امریکہ جنگ بندی، مگر کیا یہ عارضی مہلت دیرپا امن بن سکے گی؟

شہباز شریف نے ایران کے صدر مسعود پزشکیان سے گرمجوش گفتگو کی اور اسلام آباد میں امن مذاکرات کی میزبانی کی پیشکش کی جسے ایران نے قبول کرلیا۔ ایرانی وزیر خارجہ عباس عراقچی نے پاکستان کے وزیراعظم اور فیلڈ مارشل کا تہہ دل سے شکریہ ادا کیا

مقصود خالد

پتھر کے دور سے مشرق وسطیٰ کے سنہرے دور تک: جنگ بندی کی عارضی مہلت، جو شاید کبھی مستقل امن نہ بن سکے، مگر اس نے خطے کی سیاست، سفارت کاری اور عالمی معیشت کو ایک نئے موڑ پر لا کھڑا کیا ہے۔ یہ کہانی محض چند گھنٹوں کی ایک حیران کن تبدیلی کی نہیں، بلکہ طاقت، مزاحمت، ثالثی اور مستقبل کے ممکنہ منظر ناموں کی ہے جہاں امریکہ کے صدر ڈونلڈ ٹرمپ نے ایک رات میں ایران کو پتھر کے دور میں دھکیلنے کی دھمکی سے لے کر مشرق وسطیٰ کے سنہرے دور کی پیش گوئی تک کا سفر طے کرلیا، جبکہ پاکستان کی ثالثی نے اس پورے ڈرامے کو ایک سفارتی شاہکار میں تبدیل کردیا۔ بدھ کی صبح جب پاکستان کے وزیراعظم شہباز شریف نے اعلان کیا کہ ایران اور امریکہ نے اپنے اتحادیوں کے ساتھ مل کر لبنان سمیت ہر جگہ فوری جنگ بندی پر اتفاق کرلیا ہے جو فوراً نافذ العمل ہوگا تو دنیا نے سانس روک کر سنا، مگر اس اعلان کے چند لمحوں بعد اسرائیل کی جانب سے یہ واضح کردیا گیا کہ لبنان پر یہ جنگ بندی کا اطلاق نہیں ہوتا، اور فوری طور پر لبنان پر فضائی حملوں کا نیا سلسلہ شروع ہوگیا جس نے درجنوں جانیں نگل لیں۔ یہ واقعہ نہ صرف یہ بتاتا ہے کہ جنگ بندی ایک وقتی مہلت ہے بلکہ یہ بھی کہ مشرق وسطیٰ کی سیاست اب بھی اتنی پیچیدہ اور غیر متوقع ہے کہ ایک معاہدہ دوسرے کی نفی کرسکتا ہے، اور لبنان کے عوام جو گزشتہ پانچ ہفتوں سے مسلسل حملوں کی زد میں تھے اب بھی اس سکون سے محروم ہیں جو باقی خطے کو مل رہا ہے۔

اس عارضی جنگ بندی کے پیچھے دونوں فریقین کی ٹھوس وجوہات کارفرما تھیں، حالانکہ ان کے اعلانیہ موقف ایک دوسرے سے بالکل مختلف تھے۔ امریکہ کے نائب صدر جے ڈی وینس نے اسے ایک کمزور معاہدہ قرار دیا جو حقیقت پسندانہ اندازہ تھا، کیونکہ دونوں طرف سے فتح کے بلند بانگ دعوے سامنے آرہے تھے جو حقیقت سے دور لگتے تھے۔ امریکی وزیر دفاع پیٹ ہیگسیتھ نے پریس بریفنگ میں کہا کہ یہ امریکہ کی واضح اور مکمل فوجی فتح ہے، تاریخی اور زبردست فتح، کیونکہ دنیا کا دہشت گردی کا سب سے بڑا سرپرست ایران خود اپنی، اپنے عوام کی اور اپنی سرزمین کی حفاظت میں مکمل طور پر ناکام ثابت ہوا۔ دوسری جانب تہران میں ایرانی سینئر عہدیدار محمد رضا عارف نے سوشل میڈیا پر لکھا کہ دنیا نے طاقت کے ایک نئے مرکز کا خیر مقدم کیا ہے اور ایران کا دور شروع ہو چکا ہے۔ ٹرمپ کے حامی ان کے متضاد بیانات کو فیصلہ کن مذاکراتی حکمت عملی کا حصہ قرار دے رہے ہیں، جبکہ ایرانیوں کا ماننا ہے کہ ان کی حکومت کی مزاحمت، بیلسٹک میزائل اور ڈرون حملوں کی صلاحیت، اور آبنائے ہرمز پر مکمل کنٹرول نے امریکہ کو میز پر لانے پر مجبور کیا۔ یہ جنگ بندی سے پہلے کے حالات تھے جب صدر ٹرمپ اور اسرائیلی وزیراعظم نتن یاہو نے ایران میں رجیم چینج کی پیش گوئی کی تھی، مگر اب وہی ایرانی حکومت جو چند ہفتے پہلے غیر مشروط ہتھیار ڈالنے پر مجبور تھی، اب مذاکرات میں برابر کی فریق بننے جارہی ہے۔

پاکستان کی ثالثی میں ہونے والے اس عمل کی اہمیت کو سمجھنے کے لیے اسے صرف ایک سفارتی کوشش نہیں، بلکہ خطے کی نئی جغرافیائی سیاست کا آغاز سمجھنا چاہیے۔ منگل اور بدھ کی درمیانی رات، جب پاکستانی گھڑیاں تین بج کر بتیس منٹ دکھا رہی تھیں، امریکی وقت شام کے چھ بج کر بتیس منٹ اور ایرانی وقت رات کے دو بج کر دو منٹ، ٹرمپ کی ایران کو دی گئی مہلت ختم ہونے میں صرف ایک گھنٹہ اٹھائیس منٹ باقی تھے۔ ٹرمپ نے ایران کو پتھر کے دور میں دھکیلنے اور تہذیب ختم کرنے کی دھمکیاں دے رکھی تھیں، مگر اچانک ٹروتھ سوشل پر ان کی پوسٹ نے دنیا کو حیران کردیا۔ انہوں نے لکھا کہ پاکستان کے وزیراعظم شہباز شریف اور فیلڈ مارشل عاصم منیر سے گفتگو کی بنیاد پر وہ دو ہفتوں کے لیے ایران پر بمباری اور حملے معطل کرتے ہیں، اور یہ جنگ بندی دو طرفہ ہوگی بشرطیکہ ایران آبنائے ہرمز فوری طور پر کھول دے۔ ٹرمپ نے یہ بھی بتایا کہ ایران کی جانب سے دس نکاتی تجویز موصول ہوئی ہے جو مذاکرات کے لیے قابل عمل بنیاد فراہم کرتی ہے، اور ماضی کے تقریباً تمام تنازعات پر اتفاق رائے ہو چکا ہے۔ اسرائیل نے اس فیصلے کی حمایت کی مگر واضح کیا کہ لبنان پر اطلاق نہیں ہوگا، جبکہ پاکستان نے فوری طور پر تمام فریقوں سے دو ہفتوں کی جنگ بندی کی اپیل کی۔

شہباز شریف نے ایران کے صدر مسعود پزشکیان سے گرمجوش گفتگو کی اور اسلام آباد میں امن مذاکرات کی میزبانی کی پیشکش کی جسے ایران نے قبول کرلیا۔ ایرانی وزیر خارجہ عباس عراقچی نے پاکستان کے وزیراعظم اور فیلڈ مارشل کا تہہ دل سے شکریہ ادا کیا اور کہا کہ اگر حملے روکے جائیں تو ایران کی مسلح افواج اپنی دفاعی کارروائیاں بند کر دیں گی، اور آبنائے ہرمز دو ہفتوں کے لیے کھول دیا جائے گا مگر ایرانی فوج سے رابطے میں رہنا ضروری ہوگا۔ پاکستان نے جمعہ کو اسلام آباد میں دس نکاتی ایجنڈے پر مذاکرات کی دعوت دی، جو پندرہ دن جاری رہیں گے اور ضرورت پڑنے پر توسیع بھی ممکن ہے۔ یہ دس نکات ایران کی طرف سے پیش کیے گئے ہیں جن میں عراق، لبنان اور یمن میں جنگ کا مکمل خاتمہ، ایران کے خلاف جنگ کا مستقل خاتمہ، پورے خطے میں تنازعات کا اختتام، آبنائے ہرمز کو دوبارہ کھولنا اور اس کے لیے پروٹوکول کا قیام، ایران کی تعمیر نو کے لیے مکمل معاوضہ، تمام پابندیوں کا خاتمہ، منجمد اثاثوں کی رہائی، جوہری ہتھیار نہ بنانے کی یقین دہانی، اور تمام محاذوں پر فوری جنگ بندی شامل ہیں۔ ٹرمپ نے انہیں مذاکرات کی بنیاد قرار دیا ہے۔

اس جنگ بندی کا مطلب صرف لڑائی روکنا نہیں، بلکہ ایک نئی سفارتی فضا پیدا کرنا ہے جو جنیوا کے سابق مذاکرات سے بالکل مختلف ہوگی۔ جنیوا میں جوہری پروگرام اور افزودہ یورینیم پر بات ہورہی تھی، مگر اسلام آباد میں آبنائے ہرمز، معاشی ضمانتیں اور علاقائی جنگوں کا خاتمہ مرکزی حیثیت رکھے گا۔ ایران نے پہلے ہی ثابت کردیا ہے کہ وہ آبنائے ہرمز کو بند کرسکتا ہے، جس سے عالمی معیشت کو شدید نقصان پہنچ سکتا ہے، اور اب وہ اسے محفوظ گزرگاہ بنانے کا پروٹوکول چاہتا ہے، شاید ٹول ٹیکس کا مطالبہ بھی کرے جیسے نہر سویز پر۔ اسرائیل اس عمل کا حصہ نہیں تھا اور نتن یاہو مزید حملے چاہتے تھے، کیونکہ 2026 کے انتخابات میں ان پر سلامتی سے سمجھوتے کا الزام لگ رہا ہے۔ چین نے بھی کردار ادا کیا جس سے اسلام آباد میں اس کا اثر و رسوخ بڑھے گا۔ خلیجی عرب ممالک امریکہ سے تعلقات ختم نہیں کریں گے مگر اپنے سکیورٹی معاہدوں کا ازسر نو جائزہ لیں گے، جبکہ ٹرمپ کی زبان نے نیٹو اور برطانوی اتحادیوں کے ساتھ تعلقات کو نقصان پہنچایا ہے۔

جنگ بندی کی اصطلاح کو سمجھنے کے لیے اقوام متحدہ کی تعریف دیکھیں تو یہ کوئی متفقہ لفظ نہیں، بلکہ فریقین کے درمیان طے شدہ معاہدہ ہے جو عارضی یا مستقل ہوسکتا ہے۔ یہ ٹروس یا معاہدہ جنگ بندی کے متبادل کے طور پر استعمال ہوتا ہے، اور اس میں مقصد، سیاسی عمل، نافذ ہونے کا وقت، جغرافیائی دائرہ، جائز فوجی سرگرمیاں اور نگرانی کا ذکر ہوتا ہے۔ تاریخی مثالیں جیسے لائبیریا کی 1993 کی جنگ بندی، اسرائیل حماس کی 2023 کی عارضی جنگ بندی، ایتھوپیا اریٹیریا کا 2000 کا معاہدہ، یا شمالی آئرلینڈ کا 1998 کا گڈ فرائیڈے معاہدہ بتاتے ہیں کہ جنگ بندی کبھی انسانی وقفہ ہوتی ہے، کبھی جغرافیائی، اور کبھی مستقل امن کی بنیاد۔ مگر لبنان کی طرح کی مثالیں بھی ہیں جہاں متعدد جنگ بندیاں ناکام ہوئیں اور لڑائی دوبارہ بھڑک اٹھی۔ اس لیے یہ دو ہفتوں کی جنگ بندی بھی صرف مہلت ہے، جو شاید دیرپا نہ ہو، مگر اس نے خطے کو سانس لینے کا موقع دیا ہے۔

اب جبکہ اسلام آباد مذاکرات جمعہ سے شروع ہونے والے ہیں، دنیا کی نظریں پاکستان پر ہیں جو ایک غیر جانبدار ثالث کے طور پر ابھرا ہے۔ شہباز شریف اور فیلڈ مارشل عاصم منیر کی کوششیں نہ صرف ایران اور امریکہ کے درمیان اعتماد کی کمی کو کم کرنے کی ہیں بلکہ پورے خطے میں چین، روس اور عرب ممالک کے مفادات کو بھی متوازن کرنے کی۔ ایران اپنی پوزیشن مضبوط کرے گا، امریکہ فوجی فتح کا دعویٰ کرتے ہوئے بھی معاشی اور جوہری مسائل حل کرنا چاہتا ہے، جبکہ اسرائیل کی عدم شمولیت اس عمل کو مزید پیچیدہ بنا رہی ہے۔ لبنان میں جاری حملے بتاتے ہیں کہ جنگ بندی کی حدود ابھی واضح نہیں، اور اگر یہ دو ہفتے ناکام ہوئے تو پھر پتھر کے دور والی دھمکیاں دوبارہ گونج سکتی ہیں۔ مگر اگر کامیاب ہوا تو مشرق وسطیٰ کا سنہرا دور واقعی آسکتا ہے، جہاں آبنائے ہرمز آزاد ہو، پابندیاں ختم ہوں، تعمیر نو ہو، اور علاقائی جنگیں ختم ہوں۔

یہ کہانی ابھی جاری ہے۔ پاکستان نے جو سفارتی معجزہ دکھایا ہے وہ نہ صرف اس کی خارجہ پالیسی کی کامیابی ہے بلکہ عالمی سفارت کاری کی نئی مثال بھی۔ ایران کی مزاحمت نے اسے طاقتور بنایا، امریکہ کی دھمکیوں نے دباؤ ڈالا، اور پاکستان نے دونوں کو میز پر بٹھا دیا۔ اب آنے والے پندرہ دنوں میں اگر دس نکاتی ایجنڈا پر اتفاق ہوگیا تو خطہ نئی تاریخ رقم کرے گا، ورنہ یہ عارضی مہلت صرف ایک وقفہ ثابت ہوگی۔ مگر فی الحال، بدھ کی صبح کا یہ اعلان ہزاروں شہریوں کے لیے سکون کا باعث بنا ہے، چاہے لبنان اب بھی درد میں ہو۔ مشرق وسطیٰ کی سیاست میں اعتماد کی کمی، تاریخی دشمنیاں اور معاشی مفادات اس معاہدے کو آزمائش میں

> **ٹرمپ کے حامی ان کے متضاد بیانات کو فیصلہ کن مذاکراتی حکمت عملی کا حصہ قرار دے رہے ہیں، جبکہ ایرانیوں کا ماننا ہے کہ ان کی حکومت کی مزاحمت، بیلسٹک میزائل اور ڈرون حملوں کی صلاحیت، اور آبنائے ہرمز پر مکمل کنٹرول نے امریکہ کو میز پر لانے پر مجبور کیا۔**

ڈالیں گے، مگر پاکستان کی ثالثی نے ایک نئی امید جگادی ہے جو شاید پتھر کے دور سے سنہرے دور کی طرف لے جائے۔

سیز فائر کا مطلب کیا ہے؟

قارئین کی دلچسپی کے پیش نظر سیز فائر کی اصطلاح سے متعلق کچھ تفصیلات اکٹھی کی ہیں جو ذیل میں پیش کی جارہی ہیں۔ اقوام متحدہ کے مطابق 'جنگ بندی (سیز فائر)' کی کوئی ایک متفقہ اور عالمی سطح پر تسلیم شدہ تعریف موجود نہیں ہے، حالانکہ یہ لفظ فوجی حکم 'فائر بند کرو' سے نکلا ہے، جو 'فائر کھولو' کے برعکس ہے۔ یہ اصطلاح وہی معنی اختیار کرسکتی ہے جو جنگ میں شامل دو فریق اپنی بات چیت میں طے کریں۔ اسے 'عارضی جنگ بندی' (ٹروس) اور 'معاہدہ جنگ بندی' جیسے الفاظ کے ساتھ بھی ایک دوسرے کے متبادل کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے۔ تاہم اقوام متحدہ کے مطابق 'جنگ بندی (سیز فائر)' اور 'دشمنیوں کے خاتمے' میں اکثر فرق ہوتا ہے۔

'دشمنیوں کا خاتمہ' عموماً لڑائی روکنے کا ایک غیر رسمی معاہدہ ہوتا ہے۔ جبکہ 'جنگ بندی' نسبتاً ایک باقاعدہ معاہدہ ہوتی ہے، جس میں درج ذیل نکات کی وضاحت کی جاتی ہے:

جنگ بندی کا مقصد کیا ہے؟

اس کے بعد کون سا سیاسی عمل شروع ہوگا؟

یہ کب سے نافذ ہوگی؟

اس کا جغرافیائی دائرہ کار کیا ہوگا؟

اس کے علاوہ اس میں یہ بھی واضح کیا جاسکتا ہے کہ کون سی فوجی سرگرمیاں جائز ہوں گی اور کون سی نہیں، اور جنگ بندی کی نگرانی کس طرح کی جائے گی۔ مثال کے طور پر، لائبیریا کی خانہ جنگی 1993 میں اس وقت اپنے اختتام کو پہنچی جب عبوری حکومت، قومی اتحاد نے نیشنل پیٹریاٹک فرنٹ آف لائبیریا اور یونائیٹڈ لبریشن موومنٹ آف لائبیریا فار ڈیموکریسی کے ساتھ ایک معاہدہ کیا۔ دونوں فریق اس بات پر متفق ہوئے کہ وہ اسلحہ اور گولہ بارود کی درآمد بند کریں گے، فوجی پوزیشنوں کو تبدیل یا ان پر حملہ نہیں کریں گے، مزید دشمنی کو ہوا نہیں دیں گے اور بارودی سرنگوں اور آتش گیر ہتھیاروں کا استعمال نہیں کریں گے۔

کیا جنگ بندی مستقل ہوتی ہے یا صرف عارضی؟

اقوام متحدہ کے مطابق، جنگ بندی (سیز فائر) دونوں طرح کی ہوسکتی ہے۔ کبھی کبھار جنگ میں شامل دونوں متحارب فریق عارضی یا ابتدائی جنگ بندی پر متفق ہو جاتے ہیں۔ یہ عموماً تشدد کم کرنے یا انسانی بحران کو کم کرنے کے لیے کی جاتی ہے۔ جب اسرائیل اور حماس کی قیادت میں عسکری گروپوں نے عارضی جنگ بندی پر اتفاق کیا، جو 24 نومبر سے 30 نومبر 2023 تک جاری رہی، حماس نے تقریباً 240 قیدیوں کے بدلے 105 یرغمالیوں کو رہا کیا۔ ابتدائی جنگ بندی اس ماحول کو بنانے کے لیے بھی کی جاسکتی ہے جو مذاکرات میں مدد دے اور مستقل یا حتمی جنگ بندی کی راہ ہموار کرے۔

جون 2000 میں، ایتھوپیا اور اریٹیریا نے تصادم کو روکنے کے لیے ایک معاہدہ کیا تاکہ ایک حتمی جنگ بندی پر بات چیت کی جاسکے۔ یہ معاہدہ دسمبر میں الجزائر معاہدے کے تحت ممکن ہوا، جس نے جنگ کا خاتمہ کیا۔

تاہم، جنگ عموماً اس وجہ سے جاری رہ سکتی ہے کہ ابتدائی جنگ بندیاں ناکام یا کمزور ہو جاتی ہیں۔ اقوام متحدہ نے لبنان میں خانہ جنگی کو ختم کرنے کے لیے متعدد جنگ بندیوں پر بات چیت کی۔۔۔ 1978، 1981 اور 1982 میں۔ لیکن ہر جنگ بندی کے بعد لڑائی دوبارہ بھڑک اٹھتی اور 1975 میں شروع ہونے والی جنگ 1990 میں ختم ہوئی۔ کچھ معاملات میں، جنگ میں شامل ایک یا دونوں فریق ابتدائی جنگ بندی کا استعمال اپنے زمینی موقف کو مضبوط کرنے کے لیے کرسکتے ہیں۔ حتمی یا مستقل جنگ بندی عام طور پر دونوں متحارب فریقین کے کامیاب امن مذاکرات کے بعد حاصل ہوتی ہے۔

یہ عموماً شناخت شدہ فورسز کے ہتھیار ڈالنے یا غیر فعال ہونے پر مشتمل ہوتی ہے، لیکن معاہدے کے بعد حفاظتی انتظامات کئی سال تک برقرار رہ سکتے ہیں۔ مثال کے طور پر، 1998 کے گڈ فرائیڈے معاہدے میں شمالی آئرلینڈ میں پروویژنل آئرلینڈ ریپبلکن آرمی اور وفادار گروپوں نے اپنے ہتھیار 'استعمال کے قابل نہ رکھنے' پر اتفاق کیا۔ معاہدے میں ایسی شقیں بھی شامل تھیں جو صوبے میں جاری امن اور ہم آہنگی کو فروغ دینے کے لیے بنائی گئی تھیں، جیسے شمالی آئرلینڈ اور آئرلینڈ کی جمہوریہ کے درمیان سرحد کو کھلا رکھنا تاکہ بغیر رکاوٹ اور بغیر محصول کے تجارت ممکن ہو سکے۔

محدود جنگ بندی کی کون کون سی اقسام ہیں؟

نومبر 2023 میں اسرائیل اور حماس نے اپنی عارضی جنگ بندی کو 'انسانی وقفہ' کہا۔ انسانی وقفے کبھی کبھار لڑائی کے دوران تشدد کم کرنے یا انسانی بحران کو کم کرنے کے لیے استعمال کیے جاتے ہیں۔ مثال کے طور پر، سوڈان کی حکومت نے دو عسکری گروپوں، سوڈان لبریشن موومنٹ اور جسٹس اینڈ ایکوالیٹی موومنٹ کے ساتھ جنگ بندی کی، جس سے دارفور میں 45 دن کے لیے لڑائی رک گئی تاکہ امدادی ادارے مقامی لوگوں تک انسانی مدد پہنچا سکیں۔ سن 2004 میں، جب انڈونیشیا پر سونامی آیا تو انڈونیشیا کی حکومت اور فری آچے موومنٹ نے جنگ بندی کا اعلان کیا تاکہ جن علاقوں میں لڑائی ہو رہی تھی وہاں امداد پہنچائی جاسکے۔ کچھ معاملات میں مخصوص علاقے میں لڑائی روکنے کے لیے بھی معاہدے کیے جاتے ہیں، جسے جغرافیائی جنگ بندی کہا جاتا ہے۔

2018 میں، اقوام متحدہ نے یمن کی حکومت اور حوثیوں کے درمیان بحیرہ احمر کے بندرگاہی شہر الحدیدہ کے آس پاس لڑائی روکنے کا معاہدہ کروایا تاکہ مقامی آبادی کی حفاظت کی جاسکے۔ ایران نے تصدیق کی ہے کہ امریکہ کے ساتھ اب 10 نکاتی ایجنڈے پر مذاکراتی عمل 15 روز کے لیے اسلام آباد میں جمعے سے شروع ہوگا، جس میں ضرورت پڑنے پر مزید توسیع بھی کی جاسکے گی۔ ایران کی سپریم نیشنل سکیورٹی کونسل نے اپنے تازہ بیان میں کہا ہے کہ گذشتہ چالیس دنوں میں ایرانی عوام اور مسلح افواج کی مزاحمت نے دشمن کو پسپائی پر مجبور کردیا ہے، اور جنگ کے بیشتر اہداف حاصل ہو چکے ہیں۔ بیان کے مطابق ایران نے ابتدا سے ہی فیصلہ کیا تھا کہ جنگ اس وقت تک جاری رہے گی جب تک دشمن کو پچھتاوے اور مایوسی کی کیفیت میں نہ پہنچا دیا جائے اور ملک کے خلاف طویل المدتی خطرات ختم نہ ہو جائیں۔

بیان میں کہا گیا کہ ایران نے امریکی صدر کی جانب سے دی گئی متعدد ڈیڈ لائنز کو مسترد کیا ہے اور واضح کیا ہے کہ دشمن کی کسی بھی مہلت کو کوئی اہمیت نہیں دی جاتی۔ سپریم نیشنل سکیورٹی کونسل کے مطابق اب جبکہ ایران کو میدان جنگ میں برتری حاصل ہے، اور امریکہ اس کے بیشتر مطالبات تسلیم کر چکا ہے، اس لیے فیصلہ کیا گیا ہے کہ مذاکرات جمعے کے روز اسلام آباد میں ہوں گے تاکہ جنگ میں حاصل ہونے والی کامیابیوں کو سیاسی سطح پر بھی مضبوط کیا جاسکے۔ بیان کے مطابق یہ مذاکرات زیادہ سے زیادہ 15 دن جاری رہیں گے اور ضرورت پڑنے پر اس مدت میں توسیع بھی ممکن ہے۔

ایران کا 10 نکاتی ایجنڈا کیا ہے جس پر امریکہ مذاکرات پر تیار ہوا؟

ایرانی سرکاری نشریاتی ادارے کے مطابق امریکہ جن نکات پر مذاکرات کر رہا ہے وہ ایران کے پیش کردہ 10 نکاتی منصوبے کا حصہ ہیں۔ ان نکات میں خطے میں جاری جنگوں کا خاتمہ اور ایران کے لیے اہم سیاسی و اقتصادی ضمانتیں شامل ہیں۔

ایران کے 10 نکاتی منصوبے کے اہم نکات:

عراق، لبنان اور یمن میں جنگ کا مکمل خاتمہ۔

ایران کے خلاف جنگ کا مکمل اور مستقل خاتمہ، بغیر کسی وقت کی حد کے۔

پورے خطے میں تمام تنازعات کا اختتام۔

آبنائے ہرمز کو دوبارہ کھولنا۔

آبنائے ہرمز میں محفوظ اور آزادانہ بحری گزرگاہ کے لیے پروٹوکول اور شرائط کا قیام۔

ایران کی تعمیر نو کے اخراجات کے لیے مکمل معاوضے کی ادائیگی۔

ایران پر عائد تمام پابندیوں کا مکمل خاتمہ۔

امریکہ کے پاس منجمد ایرانی اثاثوں اور فنڈز کی فوری رہائی۔

ایران کی جانب سے جوہری ہتھیار حاصل نہ کرنے کی مکمل یقین دہانی۔ مندرجہ بالا شرائط کی منظوری کے ساتھ تمام محاذوں پر فوری جنگ بندی۔ یہ نکات اس فریم ورک کا حصہ ہیں جسے ٹروتھ سوشل پوسٹ پر امریکی صدر نے بھی 'مذاکرات کے لیے ایک قابل عمل بنیاد' قرار دیا ہے۔

☆......☆

Donald J. Trump
@realDonaldTrump

Based on conversations with Prime Minister Shehbaz Sharif and Field Marshal Asim Munir, of Pakistan, and wherein they requested that I hold off the destructive force being sent tonight to Iran, and subject to the Islamic Republic of Iran agreeing to the COMPLETE, IMMEDIATE, and SAFE OPENING of the Strait of Hormuz, I agree to suspend the bombing and attack of Iran for a period of two weeks. This will be a double sided CEASEFIRE! The reason for doing so is that we have already met and exceeded all Military objectives, and are very far along with a definitive Agreement concerning Longterm PEACE with Iran, and PEACE in the Middle East. We received a 10 point proposal from Iran, and believe it is a workable basis on which to negotiate. Almost all of the various points of past contention have been agreed to between the United States and Iran, but a two week period will allow the Agreement to be finalized and consummated. On behalf of the United States of America, as President, and also representing the Countries of the Middle East, it is an Honor to have this Longterm problem close to resolution. Thank you for your attention to this matter! President DONALD J. TRUMP

13.1k ReTruths 55.6k Likes Apr 08, 2026, 3:32 AM

Shehbaz Sharif @CMShehbaz · 3h

With the greatest humility, I am pleased to announce that the Islamic Republic of Iran and the United States of America, along with their allies, have agreed to an immediate ceasefire everywhere including Lebanon and elsewhere, EFFECTIVE IMMEDIATELY.
I warmly welcome the sagacious gesture and extend deepest gratitude to the leadership of both the countries and invite their delegations to Islamabad on Friday, 10th April 2026, to further negotiate for a conclusive agreement to settle all disputes.
Both parties have displayed remarkable wisdom and understanding and have remained constructively engaged in furthering the cause of peace and stability. We earnestly hope, that the 'Islamabad Talks' succeed in achieving sustainable peace and wish to share more good news in coming days!

ایران - امریکہ، اسرائیل جنگ میں آبنائے ہرمز اتنی اہم کیوں ثابت ہو رہی ہے؟

دو ہفتے کی جس جنگ بندی پر ایران اور امریکہ نے منگل کی شب آمادگی ظاہر کی ہے اس کی اہم ترین شرائط میں سے ایک آبنائے ہرمز کی ایک 'محفوظ گزرگاہ' کے طور پر استعمال کی ضمانت بھی ہے

......میگزین رپورٹ......

ایران اور امریکہ نے منگل کی شب دو ہفتے کی جس جنگ بندی پر آمادگی ظاہر کی ہے اس کی اہم ترین شرائط میں سے ایک آبنائے ہرمز کی ایک 'محفوظ گزرگاہ' کے طور پر استعمال کی ضمانت بھی ہے۔ دنیا کا تقریباً 20 فیصد تیل اور مائع قدرتی گیس (ایل این جی) عام طور پر اس راستے سے گزرتا ہے جو اپنے سب سے تنگ مقام پر صرف 40 کلومیٹر چوڑا ہے۔ 28 فروری کو امریکہ اور اسرائیل کے حملوں کے بعد سے ایران نے تیل اور گیس کی عالمی ترسیل میں کلیدی حیثیت رکھنے والی اس آبی گزرگاہ کو موثر طریقے سے بند کر دیا تھا۔ اس بندش کا نتیجہ عالمی سطح پر ایندھن کی قیمتوں میں ہوشربا اضافے کی صورت میں نکلا اور جنگ بندی کے معاہدے کے اعلان کے ساتھ ہی تیل کی عالمی قیمتوں میں 15 فیصد کے قریب کی واقع ہوئی ہے۔

آبنائے ہرمز کہاں واقع ہے

خلیج فارس اور خلیج عمان کے درمیان، شمال میں ایران اور جنوب میں عمان اور متحدہ عرب امارات سے جڑا آبنائے ہرمز ایک سمندری راستہ ہے جس میں داخلے اور اخراج کے مقامات تو تقریباً 50 کلومیٹر چوڑے ہیں لیکن درمیان میں سب سے تنگ مقام پر اس کی وسعت تقریباً 33 کلومیٹر رہ جاتی ہے۔ یہ سمندری راستہ اتنا ہی گہرا ہے کہ بڑے تجارتی جہاز اس کے وسط میں ہی سفر کر سکتے ہیں یعنی بڑے آئل ٹینکر تقریباً 10 کلومیٹر چوڑے چینل میں ہی سفر کر سکتے ہیں۔ 1980 سے 1988 تک جاری رہنے والی ایران اور عراق کی جنگ کے دوران دونوں ممالک نے ایک دوسرے کی تیل کی رسد اور برآمدات کو متاثر کرنے کی کوشش کی تھی اور اس تنازع کو اسی وجہ سے تاریخ میں 'ٹینکر جنگ' کے نام سے بھی جانا جاتا ہے۔ اور اسی لیے بحرین میں تعینات امریکی بحریہ کے فلیٹ کو یہ ذمہ داری سونپی گئی تھی کہ وہ تجارتی بحری جہازوں کی حفاظت کرے۔

آبنائے ہرمز سے کتنا ایندھن گزرتا ہے

اس آبی راستے کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ دنیا میں تیل کی مجموعی تیل کی رسد کا پانچواں حصہ اسی راستے سے گزرتا ہے۔ یو ایس انرجی انفارمیشن ایڈمنسٹریشن کے اندازوں کے مطابق 2025 میں، تقریباً دو کروڑ بیرل تیل اور تیل کی مصنوعات روزانہ آبنائے ہرمز سے گزریں جس کا تجارتی حجم تقریباً سالانہ چھ سو ارب ڈالر بنتا ہے۔ اس راستے کو صرف ایران ہی تیل کی تجارت کے لیے استعمال نہیں کرتا بلکہ سعودی عرب، متحدہ عرب امارات، عراق اور کویت جیسے ممالک بھی اپنے گاہکوں خصوصاً ایشیائی ممالک کو تیل اسی راستے سے پہنچاتے ہیں۔

یو ایس انرجی انفارمیشن ایڈمنسٹریشن کا اندازہ ہے کہ 2024 میں آبنائے ہرمز سے گزرنے والی خام تیل اور کنڈینسیٹ کا 84 فیصد اور مائع قدرتی گیس کا 83 فیصد ایشیائی بازاروں میں گیا تھا۔ اینالیٹکس فرم ورٹیکسا کی تحقیق سے پتہ چلتا ہے کہ سعودی عرب روزانہ تقریباً 60 لاکھ بیرل خام تیل آبنائے ہرمز کے ذریعے برآمد کرتا ہے، جو کسی بھی پڑوسی ملک سے زیادہ ہے۔ اس کے علاوہ دنیا میں سب سے زیادہ ایل این جی برآمد کرنے والا ملک قطر بھی اپنی برآمدات کے لیے اسی گزرگاہ پر انحصار کرتا ہے۔ امریکی حکام کے مطابق قطر نے 2024 میں نو ارب 30 کروڑ مکعب فٹ گیس روزانہ کی بنیاد پر برآمد کی۔

ہرمز مشرق وسطیٰ سے کھاد کی برآمدات کے لیے بھی ایک اہم راستہ ہے جہاں قدرتی گیس کو پیداواری عمل میں بہت زیادہ استعمال کیا جاتا ہے۔ دنیا بھر میں کھاد کی تجارت کا تقریباً ایک تہائی حصہ عام طور پر آبنائے ہرمز سے گزرتا ہے۔ اس کے علاوہ یہ آبنائے مشرق وسطیٰ میں خوراک، ادویات اور تکنیکی سامان سمیت دیگر درآمدات کے لیے بھی ایک اہم راستہ ہے۔

ایران نے آبنائے ہرمز کیسے بند کی اور اس کا کیا اثر پڑا؟

اقوام متحدہ کے قوانین ممالک کو اپنی ساحلی پٹی سے 12 ناٹیکل میل (13.8 میل) تک علاقائی سمندر کو کنٹرول کرنے کی اجازت دیتے ہیں اور سب سے تنگ مقام پر، آبنائے ہرمز اور اس کا بحری راستہ مکمل طور پر ایران اور عمان کے علاقائی پانیوں میں واقع ہے۔ ہر ماہ آبنائے ہرمز سے تقریباً تین ہزار بحری جہاز گزرتے ہیں لیکن حالیہ تنازعے کے دوران اس تعداد میں ڈرامائی طور پر کمی آئی جب ایران نے ٹینکروں اور دیگر بحری جہازوں کو نشانہ بنانے کی دھمکی دی۔ ایرانی ڈرونز، میزائل، تیز رفتار جنگی کشتیاں اور ممکنہ طور پر آبی بارودی سرنگیں ان بحری جہازوں کے لیے ممکنہ خطرہ تھے۔ ایرانی کارروائیوں پر نظر رکھنے والی تنظیم یو اے این آئی کا کہنا ہے کہ تنازعے کے آغاز کے بعد سے دو اپریل 2026 تک 24 تجارتی جہاز ایرانی حملوں کا نشانہ بنے جبکہ تین بال بال بچے۔

گلوبل رسک مینیجمنٹ کے مرکزی تجزیہ کار آرن لوسن راسموسن نے اس تناظر میں امریکی شراکت دار چینل سی بی ایس نیوز کو بتایا تھا کہ 'آپ پر حملہ کیا جا سکتا ہے، اور آپ اس حوالے سے یا تو انشورنس حاصل نہیں کر سکتے یا پھر وہ

دنیا کا تقریباً 20 فیصد تیل اور مائع قدرتی گیس (ایل این جی) عام طور پر اس راستے سے گزرتا ہے جو اپنے سب سے تنگ مقام پر صرف 40 کلومیٹر چوڑا ہے۔

اس بندش کا نتیجہ عالمی سطح پر ایندھن کی قیمتوں میں ہوشربا اضافے کی صورت میں نکلا اور جنگ بندی کے معاہدے کے اعلان کے ساتھ ہی تیل کی عالمی قیمتوں میں 15 فیصد کے قریب کمی واقع ہوئی ہے۔

بہت مہنگی ہے۔' ایران سمیت خلیجی ممالک اپنی آمدنی کے لیے تیل اور گیس کی برآمدات پر بہت زیادہ انحصار کرتے ہیں۔

آبنائے ہرمز کے سفر میں رکاوٹ نے ایشیا کو بھی سخت نقصان پہنچایا ہے کیونکہ ایک تخمینے کے مطابق صرف چین ہی ایرانی تیل کی کل عالمی برآمد کے تقریباً 90 فیصد کا خریدار ہے۔ اس تیل کا ایک بڑا حصہ ایران عالمی مارکیٹ کی قیمتوں سے کم قیمتوں پر فروخت کرتا ہے اور جو تہران کو امریکی پابندیوں سے نمٹنے میں مدد دینے کے لیے ایک اہم معاشی سہارا ہے۔ ایشیا میں، ایندھن کے بحران نے روزمرہ زندگی کو بری طرح متاثر کیا ہے۔ پاکستان اور سری لنکا سمیت متعدد ممالک میں جہاں تیل کی قیمت میں بڑا اضافہ ہوا ہے وہیں حکومتوں نے گھر سے کام، اوقات کار میں کمی اور تعلیمی اداروں کی بندش جیسے اقدامات کیے۔ افریقہ میں بھی جنوبی سوڈان اور ماریشس نے بجلی کے استعمال پر پابندیاں لگائیں جبکہ یورپ میں سلووینیا یورپی یونین کا وہ پہلا رکن ملک بنا جہاں ایندھن کی راشننگ کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔

امریکہ نے آبنائے ہرمز دوبارہ کھولنے کی کوشش کیسے کی؟

اس تنازعے کے دوران امریکہ کی جانب سے آبنائے ہرمز کی بندش پر سخت ردعمل دینے اور اسے کھلا رکھنے کے مطالبات تو سامنے آئے لیکن اس نے وہاں اپنا کوئی جنگی بحری جہاز تعینات نہیں کیا اور فوجی ردعمل کو ایران پر فضائی حملوں تک محدود رکھا۔ مثال کے طور پر 18 مارچ کو امریکی فوج نے آبنائے ہرمز کے ساتھ ایران کے بحری جہاز شکن کروز میزائل داغنے والے مقامات پر بمباری کا دعویٰ کیا۔

اس سے قبل ٹرمپ نے امریکہ کے اتحادیوں اور چین سمیت دیگر ممالک سے جنگی جہاز بھیج کر ہرمز کو محفوظ بنانے میں مدد کرنے کا مطالبہ کیا تھا، لیکن ان کی درخواست پر بہت کم مثبت ردعمل آیا جس اس کے بعد انہوں نے کہا کہ امریکہ کو در حقیقت ان ممالک کی مدد کی ضرورت نہیں ہے۔

امریکہ اس سے قبل آبنائے ہرمز میں سمندری ٹریفک کے بہاؤ کو بحال کرنے کے لیے اپنی فوجی طاقت کا استعمال کر چکا ہے۔ 1980 کی دہائی کے آخر میں، آٹھ سالہ ایران عراق جنگ کے دوران، تیل کی تنصیبات پر حملے ایک 'ٹینکر جنگ' کی شکل اختیار کر گئے تھے جس میں دونوں ممالک نے اقتصادی دباؤ ڈالنے کے لیے غیر جانبدار ممالک کے جہازوں پر حملے کیے۔ عراقی تیل لے جانے والے کویتی ٹینکرز خاص طور پر نشانہ بنے اور بالآخر امریکی جنگی بحری جہازوں نے انہیں خلیج میں تحفظ دینا شروع کیا جو امریکی نیول انسٹیٹیوٹ کے مطابق دوسری عالمی جنگ کے بعد سب سے بڑی بحری جنگی کارروائیوں میں سے ایک بنی۔

کیا جنگ بندی سے پہلے ہرمز سے جہاز گزرے؟

24 مارچ کو اقوام متحدہ میں اپنے مشن کی طرف سے جاری کیے گئے ایک پیغام میں، ایران نے کہا کہ وہ ایسے ممالک کے جہازوں کو آبنائے ہرمز سے گزرنے کی اجازت دے گا جو اس کے دشمن نہیں، بشرطیکہ وہ ایرانی حکام کے ساتھ رابطے میں رہیں۔ برطانوی ویریفائی کے جائزے کے مطابق جنگ کے آغاز کے بعد یکم مارچ سے 20 مارچ کے درمیان تقریباً 100 بحری جہاز آبنائے ہرمز سے گزرے۔ تین اپریل کو ایک فرانسیسی کنٹینر بردار جہاز، عمان سے منسلک تین ٹینکرز اور ایک جاپانی گیس بردار جہاز نے آبنائے کو عبور کیا۔ فرانسیسی جہاز میری ٹائم ٹرانسپورٹ گروپ سی ایم اے سی جی ایم کا تھا اور مبینہ طور پر آبنائے سے گزرنے والا پہلا مغربی جہاز تھا۔ تجزیے کے مطابق، 28 فروری کو جنگ شروع ہونے کے بعد سے آبنائے ہرمز کی روزانہ ٹریفک تقریباً 95 فیصد کم ہوئی اور یہاں سے گزرنے والے جہازوں کا تقریباً ایک تہائی ایران سے تعلق رکھتا تھا۔

17 مارچ کو امریکی چینل بلومبرگ نے کہا کہ ایک پاکستانی ٹینکر خام تیل لے کر آبنائے ہرمز سے گزرا ہے اور پاکستان کی جانب گامزن ہے۔ بحری جہازوں کی نقل و حمل پر نظر رکھنے والی ویب سائٹ 'میرین ٹریفک' نے دعویٰ کیا تھا کہ ایفرامیکس ٹینکر کراچی، جو ابوظہبی سے خام تیل لے کر جا رہا ہے، آبنائے ہرمز کی بندش کی بعد سے اپنا خودکار شناختی نظام (اے آئی ایس) سگنل نشر کرتے ہوئے یہاں سے گزرنے والا پہلا غیر ایرانی کارگو تھا۔ امریکی کاروباری نیوز سائٹ CNBC نے 18 مارچ کو رپورٹ کیا کہ یکم اور 15 مارچ کے درمیان چین سے منسلک کل 11 جہاز آبنائے سے گزرے۔ بیجنگ نے حال ہی میں اپنے تین جہازوں کے اس راستے سے بحفاظت گزرنے کے بعد شکریہ بھی ادا کیا جن میں سے دو سرکاری جہاز راں کمپنی کوسکو کے تھے۔

29 مارچ کو پاکستان نے اعلان کیا کہ ایران نے پاکستانی پرچم بردار بحری جہازوں کو آبنائے ہرمز سے گزرنے کی اجازت دی ہے اور نائب وزیراعظم اسحاق ڈار کا کہنا تھا کہ روزانہ دو پاکستانی پرچم بردار جہاز آبنائے ہرمز سے گزریں گے۔ اس کے علاوہ کم از کم آٹھ ایسے انڈین پرچم بردار جہازوں نے بھی ہرمز کو عبور کیا جن پر ایل پی جی لدی تھی۔

کیا کوئی متبادل راستہ یا طریقہ موجود ہے؟

آبنائے ہرمز کی بندش کے مسلسل خطرے نے برسوں سے خلیج کے تیل برآمد کرنے والے ممالک کو متبادل برآمدی راستے تیار کرنے پر مجبور کیا ہے۔ 2019 میں، سعودی عرب نے عارضی طور پر ایک قدرتی گیس پائپ لائن کو خام تیل لے جانے کے لیے دوبارہ استعمال کیا۔ متحدہ عرب امارات نے اپنے اندرونی تیل کے ذخائر کو خلیج عمان کے بندرگاہ فجیرہ سے ایک پائپ لائن کے ذریعے جوڑ دیا ہے جس کی یومیہ صلاحیت 15 لاکھ بیرل ہے۔ جولائی 2021 میں، ایران نے گورہ-جاسک پائپ لائن کا افتتاح کیا، جس کا مقصد خلیج عمان میں خام تیل منتقل کرنا تھا۔ یہ پائپ لائن اس وقت تقریباً ساڑھے تین لاکھ بیرل یومیہ ایندھن لے جا سکتی ہے تاہم اطلاعات کے مطابق ایران نے ابھی تک اسے استعمال نہیں کیا۔ ای آئی اے نے گذشتہ سال جون میں کہا تھا کہ موجودہ متحدہ عرب امارات اور سعودی پائپ لائنز سے تقریباً 26 لاکھ بیرل یومیہ کی غیر استعمال شدہ صلاحیت آبنائے ہرمز کو 'بائی پاس' کرنے کے لیے دستیاب ہو سکتی ہے۔

☆......☆

ڈومزڈے پلین

وہ طیارہ جو جوہری حملے سے محفوظ رہ کر 7 دن لگاتار اڑان بھر سکتا ہے

وہ فضائی قلعہ جو امریکہ کی بقا اور قیادت کو جوہری تباہی کے طوفان میں بھی محفوظ رکھتا ہے

معظم خان

امریکہ کی عسکری تاریخ میں چند ایسے حیران کن شاہکار موجود ہیں جو نہ صرف جدید ٹیکنالوجی کی عکاسی کرتے ہیں بلکہ قوم کی بقا کی ضمانت بھی بنتے ہیں، اور ان میں سب سے منفرد اور پراسرار طیارہ وہ ہے جسے عوام 'ڈومزڈے پلین' یا 'قیامت کا طیارہ' کا نام دیتے ہیں۔ یہ بوئنگ ای-4 بی نائٹ واچ (Nightwatch4B-E Boeing) دراصل ایک مکمل فضائی کمانڈ اینڈ کنٹرول سینٹر ہے جو سرد جنگ کے عروج پر 1974 میں سروس میں داخل ہوا تھا اور آج بھی امریکی صدر، سیکریٹری آف ڈیفنس، جوائنٹ چیفس آف سٹاف اور دیگر اعلیٰ قیادت کو جوہری حملوں، سائبر حملوں، قدرتی آفات یا کسی بھی ایسی تباہ کن صورتحال میں جہاں زمینی کمانڈ سینٹرز تباہ ہو جائیں، مسلسل رابطہ، ہدایات جاری کرنے اور فوجی کارروائیوں کی نگرانی کا اہم ذریعہ فراہم کرتا ہے۔ یہ طیارہ نہ صرف ایک ہوائی جہاز ہے بلکہ ایک متحرک پینٹاگون ہے جو فضا میں اڑتے ہوئے امریکہ کی حکومت اور افواج کو جوہری جنگ کے بعد بھی زندہ اور فعال رکھ سکتا ہے، جہاں زمین پر سب کچھ راکھ بن چکا ہو۔ اس کی ڈیزائننگ اس قدر مضبوط اور جدید ہے کہ یہ الیکٹرومیگنیٹک پلس (EMP)، تابکاری، تھرمل اثرات اور دیگر جوہری دھماکوں کے تباہ کن اثرات کو برداشت کر سکتا ہے، جبکہ اس کے 67 سے زائد اینٹینا اور جدید مواصلاتی نظام دنیا کے کسی بھی کونے سے محفوظ رابطہ قائم کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ یہ طیارہ امریکی فضائیہ کے پاس موجود چار طیاروں پر مشتمل بیڑے کا حصہ ہے جو سال بھر باقاعدگی سے تربیتی پروازیں کرتا رہتا ہے تاکہ ہر لمحہ تیار رہے، اور یہ ایئر فورس ون سے بالکل مختلف ہے جو صدر کے معمول کے سفر کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ آج جب عالمی تناؤ بڑھ رہا ہے، شمالی کوریا، روس اور دیگر ممالک کے ساتھ کشیدگی عروج پر ہے تو یہ 'ڈومزڈے پلین' نہ صرف ایک طیارہ بلکہ امریکہ کی اسٹریٹجک بقا کی سب سے بڑی ضمانت بن چکا ہے، جو قیامت کے دن بھی قیادت کو فضا میں محفوظ رکھ کر ملک کو دوبارہ اٹھ کھڑا ہونے کا موقع دے سکتا ہے۔

اس طیارے کی تاریخ سرد جنگ کے گہرے سائے میں جڑی ہوئی ہے جب امریکہ اور سوویت یونین کے درمیان جوہری ہتھیاروں کی دوڑ عروج پر تھی اور دونوں سپر پاورز ایک دوسرے پر پہلے حملے کا خوف محسوس کر رہے تھے۔ 1970 کی دہائی میں امریکی حکام نے احساس کیا کہ اگر سوویت یونین جوہری حملہ کر دے تو زمینی کمانڈ سینٹرز، جیسے پینٹاگون یا وائٹ ہاؤس، چند منٹوں میں تباہ ہو سکتے ہیں، اس لیے ایک ایسے فضائی پلیٹ فارم کی ضرورت تھی جو تابکاری، EMP اور دیگر اثرات سے محفوظ ہو اور صدر سمیت اعلیٰ قیادت کو مسلسل پرواز کرتے ہوئے ملک چلانے کا موقع دے۔ بوئنگ 200-747 کی بنیاد پر تیار کیا گیا یہ طیارہ 1974 میں ای-4 اے ورژن کے طور پر سروس میں آیا، پھر 1980 میں پہلا ای-4 بی ماڈل ملا اور 1985 تک پورا بیڑا ای-4 بی میں اپ گریڈ ہو گیا۔ اس ارتقا میں تابکاری شیلڈنگ، EMP پروٹیکشن، جدید کمپیوٹر سسٹم اور مواصلاتی اینٹینا شامل کیے گئے جو اسے کسی بھی دوسرے طیارے سے الگ کرتے ہیں۔ آج 2026 میں بھی یہ طیارہ امریکی فضائیہ کی 595 ویں کمانڈ اینڈ کنٹرول گروپ کے تحت آفٹ ایئر فورس بیس، نیبراسکا سے آپریٹ ہوتا ہے، جہاں ہمیشہ ایک طیارہ الرٹ پر تیار رہتا ہے۔ اس کی پروازیں نہ صرف تربیتی ہوتی ہیں بلکہ قومی ہنگامی حالات میں، جیسے طوفانوں، زلزلوں یا بین الاقوامی تناؤ کے دوران، یہ مختلف شعبوں کے ساتھ رابطہ قائم کر کے کمانڈ سینٹر کا کردار ادا کرتا ہے۔ یہ طیارہ جنگ کے وقت ہنگامی احکامات جاری کرنے، فوجی کارروائیوں کی نگرانی اور سول اتھارٹی کے کاموں کو مربوط کرنے کا ذریعہ بھی بنتا ہے، جو اسے ایک منفرد اسٹریٹجک اثاثہ بناتا ہے۔

ڈومزڈے پلین کی جسمانی ساخت اور ٹیکنیکل خصوصیات اسے ایک معجزہ بنا دیتی ہیں۔ یہ بوئنگ 200-747 کا ملٹری ورژن ہے جو چار جنرل الیکٹرک 50E2-CF6 ٹربوفین انجنوں سے چلتا ہے، ہر انجن 52,500 پاؤنڈ تھرسٹ پیدا کرتا ہے، لمبائی 231 فٹ 4 انچ، ونگ اسپین 195 فٹ 8 انچ اور اونچائی 63 فٹ 5 انچ ہے۔ اس کا زیادہ سے زیادہ ٹیک آف وزن 800,000 پاؤنڈ ہے اور یہ 30,000 فٹ سے زیادہ کی بلندی پر پرواز کر سکتا ہے۔ سب سے اہم بات یہ ہے کہ یہ فضائی ایندھن بھرنے (ایریل ری فیولنگ) کی صلاحیت سے لیس ہے، جس کی وجہ سے بغیر ری فیولنگ کے 12 گھنٹے پرواز کر سکتا ہے مگر ری فیولنگ کیساتھ یہ دنوں، ہفتوں تک فضا میں رہ سکتا ہے۔ ایک ٹیسٹ فلائٹ میں یہ 35.4 گھنٹے مسلسل پرواز کر چکا ہے، اور ہنگامی صورت میں ایک ہفتے تک پرواز کا ڈیزائن ہے، جبکہ انجن کے لائیوبریکیشن اور عملے کی تھکاوٹ ہی اس کی حد ہیں۔ طیارے کے اندر تین ڈیکس ہیں: اوپری، درمیانی اور نچلا، جن میں 112 افراد (4 فلائٹ کریو اور 108 مشن کریو) سما سکتے ہیں۔ اس میں 18 بستر، بریفنگ روم، کانفرنس روم، کام کم ایریا، کمانڈ روم اور آرام کے لیے مخصوص جگہیں موجود ہیں جو اسے ایک مکمل فلائنگ پینٹاگون بناتی ہیں۔

اس کی سب سے طاقتور خصوصیت اس کی شیلڈنگ اور مواصلاتی نظام ہے جو اسے جوہری جنگ کے لیے مثالی بناتا ہے۔ طیارہ تابکاری، تھرمل اثرات اور EMP سے مکمل محفوظ ہے، یعنی جوہری دھماکے کے بعد پیدا ہونے والے برقی مقناطیسی لہروں سے اس کے تمام الیکٹرانکس محفوظ رہتے ہیں۔ اس میں 67 سے زائد اینٹینا اور سیٹلائٹ ڈشز نصب ہیں جو دنیا کے کسی بھی حصے سے، یہاں تک کہ سمندروں کی گہرائی میں چھپی آبدوزوں تک، VLF (وری لو فریکوئنسی) اینٹینا کے ذریعے آرڈرز بھیج سکتے ہیں۔ ایک 5 میل لمبا ٹریلنگ وائر اینٹینا اس کے پچھلے حصے میں لپیٹا جاتا ہے جو آبدوزوں سے رابطے کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ یہ تمام سسٹم ریڈنڈنٹ (دوہرے) ہیں تاکہ ایک کا خراب ہونے پر دوسرا کام کر سکے۔ طیارے کا پائلٹ کمانڈ اندرونی سکرینوں سے صدر، نائب صدر، سیکریٹری دفاع اور دیگر کی لوکیشنز مانیٹر کر سکتا ہے، جبکہ جدید کمپیوٹرز اور مشن سسٹم ہنگامی احکامات جاری کرنے میں مدد دیتے ہیں۔ یہ خصوصیات اسے نہ صرف جوہری حملوں بلکہ سائبر حملوں اور قدرتی آفات سے بھی محفوظ رکھتی ہیں، جو کسی دوسرے طیارے میں دستیاب نہیں۔

اس طیارے کی آپریشنل تیاری دیکھ کر حیرت ہوتی ہے۔ امریکی فضائیہ اسے سال بھر باقاعدہ پروازیں کرواتی ہے تاکہ تمام سسٹم، عملہ اور صلاحیتیں ہمیشہ تیار رہیں۔ ایک طیارہ ہمیشہ الرٹ پر رہتا ہے اور چند منٹوں میں ٹیک آف کر سکتا ہے۔ یہ پروازیں نہ صرف تربیتی ہوتی ہیں بلکہ قومی بحرانوں میں، جیسے 2018 میں ٹرمپ اور کم جونگ اُن کی لفظوں کی جنگ کے دوران، یا حالیہ 2026 میں ایران کے ساتھ تناؤ کے وقت، یہ واشنگٹن کے قریب یا دیگر اہم مقامات پر پرواز کرتا نظر آیا ہے۔ میڈیا کی توجہ اس پر اس وقت بڑھی جب یہ طیارہ شمالی کوریا کے جوہری دھمکیوں کے وقت فعال ہوا۔ اس کی لاگت بھی بہت زیادہ ہے؛ ہر گھنٹہ آپریشن پر تقریباً 160,000 ڈالر خرچ ہوتا ہے، جبکہ ایک یونٹ کی قیمت تقریباً 223 ملین ڈالر تھی۔ یہ طیارہ قدرتی آفات جیسے سمندری طوفان یا زلزلوں کے بعد بھی مختلف ایجنسیوں سے رابطہ قائم کر کے ریلیف آپریشنز کو مربوط کرتا ہے، جو اس کی ورسٹائلٹی کو ظاہر کرتا ہے۔

ڈومزڈے پلین کو ایئر فورس ون سے الگ سمجھنا ضروری ہے۔ ایئر فورس ون (25-VC) صدر کے باقاعدہ سفر، دوروں اور سفارتی مشنز کے لیے استعمال ہوتا ہے، جبکہ 4B-E خالصتاً ہنگامی کمانڈ سینٹر ہے۔ یہ صدر کو لے کر نہیں جاتا بلکہ بحران میں صدر اور قیادت کو محفوظ رکھنے کے لیے الگ سے تیار رہتا ہے۔ دونوں 747 بیسڈ ہیں مگر 4B-E کی اندرونی ڈیزائن، شیلڈنگ اور مواصلاتی سسٹم بالکل مختلف اور زیادہ جدید ہیں۔

عالمی سطح پر امریکہ اکیلا نہیں؛ روس کے پاس بھی اس کا ہم منصب الیوشن II-80 میکسڈوم (Maxdome) ہے جو 1990 کی دہائی میں سروس میں آیا اور تین طیاروں پر مشتمل ہے۔ یہ بھی جوہری شیلڈنگ، VLF اینٹینا اور ری فیولنگ کی صلاحیت رکھتا ہے مگر امریکی 4B-E کے مقابلے میں کم جدید اور کم فعال سمجھا جاتا ہے۔ روس اسے اسٹریٹجک فورسز کے لیے استعمال کرتا ہے مگر یہ کم پروازیں کرتا ہے جبکہ امریکی بیڑا ہمیشہ فعال رہتا ہے۔ یہ موازنہ دکھاتا ہے کہ دونوں سپر پاورز نے جوہری جنگ کے بعد بھی قیادت برقرار رکھنے کا اہتمام کیا ہے۔

آج 2026 میں 4B-E کی عمر 50 سال سے زیادہ ہو چکی ہے اس لیے اس کی جگہ نئی Survivable CenterOperationsAirborne (SAOC) یا 4C-E لے رہی ہے۔ سیرا نیواڈا کارپوریشن (SNC) کو 13 ارب ڈالر کا کنٹریکٹ ملا ہے جس کے تحت کورین ایئر سے خریدے گئے پانچ بوئنگ 81-747 طیاروں کو اپ گریڈ کیا جا رہا ہے۔ یہ نئے طیارے جدید سائبر ڈیفنس، بہتر EMP شیلڈنگ اور جدید مواصلاتی سسٹم سے لیس ہوں گے۔ فلائٹ ٹیسٹس 2025 سے شروع ہو چکے ہیں اور 2036 تک سروس میں آنے کی توقع ہے۔ کچھ رپورٹس کے مطابق بیڑا 6 سے 8 طیاروں تک بڑھ سکتا ہے۔ یہ اپ گریڈ امریکہ کی جوہری کمانڈ کو مستقبل کی دھمکیوں، جیسے ہائپرسونک میزائلوں اور ایڈوانسڈ سائبر حملوں، سے نمٹنے کے لیے تیار کر رہا ہے۔

اندرونی طور پر 4B-E ایک مکمل آپریشنل ہیڈکوارٹر ہے جہاں کمانڈرز، ٹیکنیشنز اور عملہ 24 گھنٹے کام کر سکتے ہیں۔

یہاں بریفنگ رومز، ریسٹ ایریاز، جدید کمپیوٹر سٹیشنز اور مانیٹرنگ سکرینیں موجود ہیں جو صدر کی لوکیشن، فوجی یونٹس کی پوزیشن اور عالمی صورتحال کی ریئل ٹائم مانیٹرنگ کرتی ہیں۔ عملہ تربیت یافتہ ہوتا ہے جو بحران میں فوری فیصلے لے سکے۔

اس طیارے کی تفصیلی خصوصیات اور صلاحیتوں پر گہری نظر ڈالیں تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ نہ صرف ایک طیارہ بلکہ امریکہ کی اسٹریٹجک ڈیٹرنس کا اہم ستون ہے۔ اس کی EMP ہارڈننگ کا مطلب ہے کہ جوہری دھماکے کے بعد پیدا ہونے والا برقی لہروں کا طوفان بھی اس کے سسٹمز کو متاثر نہیں کر سکتا۔ تمام وائرنگ اور الیکٹرانکس شیلڈڈ ہیں، ایئر کنڈیشننگ سسٹم جدید الیکٹرانکس کو ٹھنڈا رکھتا ہے، اور ایکوسٹک کنٹرول شور کو کم کرتا ہے تاکہ عملہ تھکے بغیر کام کر سکے۔ طیارے کے انجن دن رات، سال بھر چلتے رہتے ہیں اور یہ کسی بھی لمحے ٹیک آف کے لیے تیار رہتا ہے۔ اس کی مواصلاتی صلاحیت اتنی جامع ہے کہ یہ زمینی، سمندری، فضائی اور آبدوزی افواج سے بیک وقت رابطہ قائم کر سکتا ہے، جو جوہری جنگ میں انتہائی اہم ہے۔ اس کی قیمت اور آپریشنل لاگت بھی اس کی اہمیت کو ظاہر کرتی ہے۔ ابتدائی یونٹ لاگت 223 ملین ڈالر کے قریب تھی مگر آج کل آپریشنل لاگت 160,000 ڈالر فی گھنٹہ ہے، جو اسے دنیا کے مہنگے ترین طیاروں میں شامل کرتی ہے۔ پھر بھی یہ لاگت امریکہ کی قومی سلامتی کے مقابلے میں حقیر ہے۔

حالیہ برسوں میں اس طیارے کی پروازیں عالمی خبروں میں رہیں، جیسے 2018 کی ٹرمپ-کم جونگ اُن تناؤ، یا 2026 میں ایران کے ساتھ ممکنہ تنازع کے وقت جب یہ آفٹ سے واشنگٹن کی طرف پرواز کرتا دیکھا گیا۔ یہ پروازیں نہ صرف تیاری بلکہ دشمن کو بھی پیغام دیتی ہیں کہ امریکہ تیار ہے۔

آخر میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ ڈومزڈے پلین محض ایک طیارہ نہیں بلکہ امید کی کرن ہے جو تباہی کے اندھیرے میں بھی قیادت کو زندہ رکھتا ہے۔ جب یہ 4C-E سے تبدیل ہو گا تو یہ ٹیکنالوجی کی نئی بلندیوں کو چھوئے گا، مگر اس کی بنیادی روح وہی رہے گی: امریکہ کی بقا اور آزادی کی حفاظت۔ یہ طیارہ ثابت کرتا ہے کہ جدید جنگ میں ٹیکنالوجی ہی سب سے بڑا ہتھیار ہے، اور جب تک یہ فضا میں اڑتا رہے گا، امریکہ کی قیادت ہمیشہ محفوظ رہے گی

ایک وہ شخص یہاں تھا تو بڑی رونق تھی

حسنِ جاناں کہ قیامت ہے اُٹھائے رکھے
شہر کے شہر کو دیوانہ بنائے رکھے
ایک وہ شخص یہاں تھا تو بڑی رونق تھی
کون اس شہر میں اب شمعیں جلائے رکھے
دل پریشاں تھا مگر جان تمہاری خاطر
چہرہ شاداب رکھا، بال بنائے رکھے
ہجر میں حال سے بے حال ہوئے ہیں خود ہی
کس میں ہمت ہے کہ کمرے کو سجائے رکھے
دلِ ناداں کو عجب کام دیا قدرت نے
خانہ جاں میں سدا شور مچائے رکھے
وہ جو اوجھل ہے نگاہوں سے مگر دل میں ہے
گر وہ چاہے تو مری بات بنائے رکھے
شیوہ حسن تو انکار ہی ٹھہرا ناصر
عشق کو چاہیے امید لگائے رکھے

مشرق
کہانی میگزین

ایڈیٹر	ساجد خان
گرافکس	خرم شہزاد

ایمان کامران

ایک وہ شخص یہاں تھا تو بڑی رونق تھی

حسنِ جاناں کہ قیامت ہے اُٹھائے رکھے
شہر کے شہر کو دیوانہ بنائے رکھے
ایک وہ شخص یہاں تھا تو بڑی رونق تھی
کون اس شہر میں اب شمعیں جلائے رکھے
دل پریشاں تھا مگر جان تمہاری خاطر
چہرہ شاداب رکھا، بال بنائے رکھے
ہجر میں حال سے بے حال ہوئے ہیں خود ہی
کس میں ہمت ہے کہ کمرے کو سجائے رکھے
دلِ ناداں کو عجب کام دیا قدرت نے
خانہ جاں میں سدا شور مچائے رکھے
وہ جو اوجھل ہے نگاہوں سے مگر دل میں ہے
گر وہ چاہے تو مری بات بنائے رکھے
شیوہ حسن تو انکار ہی ٹھہرا ناصر
عشق کو چاہیے امید لگائے رکھے

مشرق
کہانی میگزین

ایڈیٹر	ساجد خان
گرافکس	خرم شہزاد

ایمان کامران

تحریر: سلمان حبیب

قسط نمبر۔(8)

(گذشتہ قسط کا آخری پیراگراف)

لیکن اب زریچہ جس سمت جارہی تھی وہاں ان کو اس سے بھی بہتر موقع مل سکتا تھا۔ زریچہ ان کی خوفناک سوچوں اور ارادوں سے آگاہ ہوتے ہی اس سے ڈر کر بھاگنے لگی۔

تیز... بہت تیز...

لیکن انہوں نے بھی اپنی رفتار تیز کردی تھی۔ ایک انجانے سے خوف نے گویا زریچہ کی ٹانگوں میں بجلیاں سی بھردی تھیں۔ وہ پہلے سے بھی تیز دوڑنے لگی اور نوجوان لڑکے بھی اس کے پیچھے تیز رفتاری کا مظاہرہ کرنے لگے، لیکن اب وہ پیچھے ہوتے چلے جارہے تھے۔ دو تو کافی پیچھے رہ گئے لیکن باقی دو اس وقت بھی سائے کی طرح زریچہ کے پیچھے لگے ہوئے تھے۔ بھاگتے بھاگتے زریچہ ایک وسیع عمارت کے اندر پناہ لینے کے لئے داخل ہوگئی، لیکن اندر آتے ہی اسے یقین آگیا کہ اب اس کے پاس فرار کا کوئی راستہ نہیں رہا، وہ اس وقت گودام نما شیڈ کے اندر تھی، جہاں لاتعداد کارٹن اور بھری ہوئی بوریاں قطار در قطار رکھی ہوئی تھیں، لیکن زریچہ آخری لمحے تک جدوجہد کرنا چاہتی تھی، وہ چھپنے کے لئے کوئی مناسب جگہ ڈھونڈنے لگی کہ اسی وقت وہ چاروں اس کے سر پر پہنچ گئے۔

زریچہ کے پاس بچاؤ کا کوئی راستہ نہیں تھا، اس کے درمیان ٹھوس اینٹوں کی دیوار حائل تھی اور پیچھے وہ چاروں لڑکے اپنے شیطانی ارادوں کے ساتھ اسے گھیرے میں لے رہے تھے۔

(آگے پڑھیے)

کائنات ہم میں ہے

سو سال پرانی کہانی، جس میں پراسرار عمارت میں احمد صلاغی اپنی نوجوان پوتی اور خوبصورت شریر پوتے کے ساتھ آیا اور اس نے عمارت کے تمام دروازے بند کرائے۔ ایک ٹریفک حادثے میں اس کا بیٹا اور بہو ہلاک ہوگئے، پوتی اور پوتے کی ذمے داری احمد صلاغی پر آپڑی تھی۔

ریحان صلاغی اس وقت ایک دیوار گیر بستر پر بڑے آرام سے سو رہا تھا، کمرے میں موجود ایک میز پر ڈاکٹر رچرڈ کا وہ جادوئی آلہ یعنی مائنڈ کنٹرول یونٹ رکھا ہوا تھا، یونٹ کے پینل بورڈ پر اس وقت ایک نیلا بلب روشن تھا، جس کا مطلب یہ تھا کہ وہ آٹو کنٹرول کی پوزیشن میں ہے، پیری کسی چالاک بلی کی طرح دبے دبے قدم اٹھاتی ہوئی میز کی طرف بڑھی اور پوری احتیاط سے کنٹرول یونٹ کو ہاتھ میں اٹھالیا، اس طرح گویا اس کے ہاتھ میں مائنڈ کنٹرول یونٹ نہ ہو ہینڈ گرنیڈ ہو جو معمولی سی بے احتیاطی سے اس کے ہاتھ سے گر کر پھٹ جائے گا، دانیال نے خوفزدہ لہجے میں کہا۔

''کیا تم اس کے استعمال سے واقف ہو''

''ہاں۔'' پیری نے کہا اور بہت محتاط ہوکر ایک بٹن پر انگلی رکھی جس پر کچھ الفاظ چھپے ہوئے تھے، انگلی کا خفیف سا دباؤ پڑتے ہی پینل پر نیلی روشنی غائب ہوگئی اور سبز روشنی کا بلب جل اٹھا، اس کے ساتھ ہی یونٹ سے سیٹی کی آواز آنے لگی، ایک لمحے کے لئے پیری کے ہاتھ کپکپائے، اس نے اپنے آپ کو خوفزدہ ہوتے ہوئے محسوس کیا، لیکن دوسرے ہی لمحے اس نے کنٹرول یونٹ کو ہونٹوں سے چپکا لیا اور پورے یقین سے ریحان سے مخاطب ہوئی جو آنکھیں بند کئے بستر پر لیٹا تھا۔

''لڑکے میں تمہیں حکم دیتی ہوں کہ تم آنکھیں کھولو۔''

حکم ملتے ہی ریحان نے ایک لمحے کی دیر کئے بغیر آنکھیں کھول دیں، دانیال سے زیادہ خود پیری کو حیرانی ہوئی تھی، اسے یقین ہوگیا کہ وہ با آسانی اس کنٹرول یونٹ کو آپریٹ کرسکتی ہے، اس نے دوسرا حکم دیا۔

''کھڑے ہوجاؤ۔''

اس کی تعمیل بھی ایک لمحے کے اندر اندر ہوئی، ریحان کی آنکھوں میں اس وقت بھی وہی چمک تھی جو پیری پہلے بھی دیکھ چکی تھی، یہ چمک اس کی دماغی صلاحیتوں کا مکمل طور پر پیری کے کنٹرول میں ہونے کا ثبوت تھی۔ اگرچہ وہ اس بات سے واقف نہیں تھی کہ یہ سب کچھ کیوں اور کیسے ہورہا ہے۔ لیکن اسے ان باتوں کو کچھ زیادہ سمجھنے کی کوئی خاص ضرورت بھی نہیں تھی، اس کی آنکھوں کے سامنے تو صرف میوزیم کا نقشہ گھوم رہا تھا، جہاں اربوں ڈالر کی مالیت کا سونا اس کی راہ دیکھ رہا تھا۔

''آؤ میرے ساتھ آؤ۔''

اس نے ریحان کو ہدایت دی اور تہہ خانے سے باہر نکل آئی، کچھ لمحوں کے بعد وہ اور ریحان فورڈ ٹرک میں سوار ہوکر شہر کی طرف جانے والی سڑک پر جارہے تھے، البتہ اس ٹرک کو دانیال ہی چلا رہا تھا۔ جبکہ پیری کی آنکھوں میں ایک عجیب سی چمک دوڑ رہی تھی۔

آدھے گھنٹے کے بعد وہ تینوں میوزیم کی پارکنگ لاٹ پر ٹرک پارک کرکے باہر آرہے تھے، پیری نے اس وقت دونوں ہاتھوں میں کالے رنگ کے نائلون کے دستانے چڑھا رکھے تھے اور پوری احتیاط اور سختی کے ساتھ کنٹرول یونٹ کو ہاتھ میں پکڑ رکھا تھا، پروگرام کے مطابق دانیال کو ٹرک کے پچھلے حصے میں بیٹھ کر ٹرک میں سونے کی ڈیلیوری کا انتظار کرنا تھا اور ریحان کو پیری کے ساتھ میوزیم کے اندر چلے جانا تھا۔

آخر کار پیری ریحان کو ساتھ لے کر میوزیم میں داخل ہوگئی، یہ میوزیم مکمل طور پر ایک وسیع اور عریض کشادہ ہال پر مشتمل تھا، اندر داخل ہوتے ہی ان کے دائیں جانب شیشے کے تابوت نما شوکیس تھے جن کے اندر وہ نایاب زیورات خوبصورتی سے سجائے گئے تھے، آج ان زیورات کی نمائش کو تیسرا دن تھا اس لئے ہال میں کافی رش تھا، وہ دونوں بھی تماشائیوں میں شامل ہوکر نادر ہیرے جواہرات دیکھنے لگے، ہر ایک جگہ سونے کی اشرفیوں کے ایک بہت بڑے ڈھیر کو جسے میوزیم کی انتظامیہ نے ایک پہاڑی کی شکل دے کر شیشے کے ایک چوکور کمرے نما بکس سے ڈھک دیا تھا، انہیں دیکھ کر پیری کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔

اشرفیوں کی اس پہاڑی کے کناروں پر سونے کی کانوں سے نکالے گئے سونے کے بڑے بڑے ٹکڑے بڑے طریقے سے سجائے گئے تھے، جس نے لوگوں کی تمام توجہ اپنی جانب مبذول کر رکھی تھی، سونے کے اصل زیورات اور اینٹوں کی نمائش میں ابھی کچھ دیر باقی تھی۔

آخر کار سیکورٹی روم سے جو شیشے کے کمرے پر مشتمل تھا اور فرش سے کوئی پندرہ فٹ اونچی ایک دیوار کے ساتھ منسلک تھا، اصل نمائش کا اعلان کیا گیا، اس کے ساتھ ہی گڑگڑاہٹ کی آواز پیدا ہوئی اور میوزیم کے تمام دروازے خود کار طریقے پر بند ہوگئے۔

اب میوزیم کے اندر موجود کسی شخص کے پاس بھی میوزیم سے باہر جانے کا کوئی راستہ نہیں تھا، پیری نے سیکورٹی اسٹاف کی حرکات کا بھرپور جائزہ لیا، وہ نہ صرف سیکورٹی کنٹرول روم سے پورے میوزیم کی نگرانی کررہے تھے بلکہ تماش بینوں کے ساتھ بھی شامل ہوکر لوگوں پر گہری نگاہ رکھے ہوئے تھے، اس کے علاوہ مشینی سیکورٹی روبوٹ بھی ہر دس قدم کے فاصلے پر نگرانی کے فرائض سرانجام دے رہے تھے۔ تماشائیوں کی تعداد کافی زیادہ تھی، تمام لوگ بے چینی سے سونے کی اینٹوں کی نمائش کے منتظر تھے۔ کچھ لمحوں کے بعد دوسری مرتبہ گڑگڑاہٹ ہوئی اور میوزیم کی ایک دیوار کا حصہ اپنی جگہ سے ہٹ گیا، چھوٹی چھوٹی آٹومیٹک ٹرالیوں پر ہیرے جواہرات سے لدے ہوئے صندوق دیوار کے دوسری طرف سے برآمد ہونا شروع ہوگئے۔ یہ ٹرالیاں ریلوے لائن کی طرز پر میوزیم کے ہال میں چاروں کناروں پر بچھائی گئی پٹری پر ایک ریموٹ کنٹرول سسٹم کے تحت چل رہی تھیں، ان پر بار کئے گئے شیشے کے تابوتوں میں آنکھوں کو چندھیا دینے والے زیورات و جواہرات تھے، پیری ان کی مالیت کا کوئی صحیح اندازہ نہیں لگاسکتی تھی اور نہ ہی فی الوقت اس کا اتنی بڑی ڈکیتی کا کوئی پروگرام تھا۔ ان ٹرالیوں پر بھی مشینی روبوٹ سیکورٹی کے فرائض سرانجام دے رہے تھے۔

آخر کار تمام ٹرالیاں میوزیم کے ہال میں آکر ٹھہر گئیں، اس کے چند ہی منٹ کے بعد کسی چٹان کے اپنی جگہ سے ہلنے کی آواز بلند ہوگئی اور میوزیم کے عین درمیان کا فرش جو خود کار طریقے پر پھٹتا چلا گیا اور اس کے بعد فرش سے ایک گھومتا ہوا اسٹیج برآمد ہوا جس پر لاتعداد سونے کی اینٹوں کا ایک اہرام تعمیر کیا گیا تھا، سونے کے اس اہرام کو بھی شیشے سے ڈھک دیا گیا تھا، اس کے بعد ہال میں مدہم روشنیوں اور سونے کی چمک نے لوگوں کو پلک تک نہ جھپکنے دی۔

گھومتے ہوئے اسٹیج پر لاتعداد چمکتے ہوئے خنجروں کو ویلڈ کیا گیا تھا جس کی وجہ سے کسی شخص کا اسٹیج کے قریب آنا اور اسے چھو لینا تقریباً ناممکن ہوگیا تھا۔ پیری ان تمام چیزوں کو دیکھتے ہوئے ششدر تھی، پھر جیسے اس نے خود کو سمجھاتے ہوئے کہا۔

''میوزیم کی انتظامیہ کتنے ہی خوفناک انتظامات کیوں نہ کرلے اب یہ سونا میری ملکیت ہے اور میں ہر حال میں اس سونے کو یہاں سے لے جاؤں گی۔''

وہ ایک بار پھر سیکیوریٹی اسٹاف کو چیک کرنے لگی۔ اسٹاف میں مرد اور عورتیں دونوں ہی شامل تھے اور مخصوص وردیوں میں لوگوں پر کڑی نگاہیں رکھے ہوئے تھے، پیری نے آخری نگاہ سیکیوریٹی کنٹرول روم کی طرف ڈالی اور حقارت سے انہیں دیکھ کر مسکرادی، جیسے ان سے یہ کہنا چاہتی ہو کہ تم سب مل کر بھی لڑکے کی قوت کا مقابلہ نہیں کرسکوگے، کیونکہ تمہارے پاس صرف ٹیکنیکل اور الیکٹریکل پاور ہے جبکہ میرے پاس مالیکولرز کی بے پناہ قوت ہے۔ پیری کے ذہن میں اس ڈکیتی کے منصوبہ پہلے ہی سے مکمل تھا، تمام انتظامات کا جائزہ لینے کے بعد اس نے مائنڈ کنٹرول یونٹ کو بڑی احتیاط سے ہونٹوں کے قریب کیا اور سرگوشی کرتی ہوئی بولی

''ریحان، ہم یہاں ایک نہایت سنسنی خیز اور حیران کن ماحول تخلیق کریں گے، میں تمہیں حکم دیتی ہوں کہ تم سونے کے اس گھومتے ہوئے اسٹیج کی طرف دیکھو۔''

فوراً ہی ریحان کی گردن اسٹیج کی طرف گھومی تو پیری نے دوسرا حکم جاری کیا۔

''میں چاہتی ہوں کہ تم اس اسٹیج کو فضاء میں بلند کردو۔'' یہ کہہ کر پیری خاموش ہوگئی۔ اس وقت وہ بڑے غور سے ریحان کی طرف دیکھ رہی تھی ریحان کے ماتھے پر اچانک ہی رگیں ابھر آئی تھیں اور پھر پیری نے بمشکل اپنے حواس کو قابو میں کیا۔ وہ اسٹیج کو آہستہ آہستہ فضاء میں بلند ہوتے ہوئے دیکھ رہی تھی۔ فولاد کی مضبوط شافٹ جس پر اسٹیج گھوم رہا تھا، آہستہ آہستہ باہر نکل رہی تھی۔ تقریباً ایک فٹ تک باہر نکل کر وہ اپنی رک گئی۔ اس کا مطلب تھا کہ اب اسٹاف میں مزید باہر نکلنے کی گنجائش نہیں ہے۔ اسٹیج اس وقت بھی اپنے پیر گھوں پر گردش کررہا تھا۔ ایک سیکیوریٹی آفیسر جو داخلی دروازے کے قریب کھڑا تھا، اچانک ہی دوڑتا ہوا اسٹیج کی طرف آیا۔ اس نے یقیناً کوئی عجیب بات محسوس کرلی تھی۔ وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے جو کچھ دیکھ رہا تھا اس پر یقین کرنے کے لئے تیار نہیں تھا، پھر گڑگڑاہٹ کا شور سنتے ہی اس نے کنٹرول روم کے افسران کو اسٹیج کو دوبارہ محفوظ کردینے کا حکم دیا۔ لیکن اس سے پہلے کہ کنٹرول روم کا اسٹاف اسٹیج کو محفوظ کرتا کٹ کی زوردار آواز کے ساتھ ہی اسٹیج کی شاخ اپنی جگہ سے باہر نکل چکی تھی (جاری ہے)

تحریر: بسمٰی راحت

(قسط نمبر 94)

ویسے میں نے محسوس کیا ہے کہ وہ بہت زیادہ کسی سے گھلتی ملتی نہیں ہیں، صرف وہ ایک ندرت ہے جو اللہ رکھی کے نام سے پکاری جاتی ہے یا وہ ایک میڈم مونا لیزا ہیں جن کی مسکراہٹ واقعی مونا لیزا کی مسکراہٹ سے بھی زیادہ حسین ہے، وہ جو ایک بچے کی ماں ہیں اور جن کا بچہ بھابھی بیگم نے گود لے رکھا ہے۔"

"ردا کی بات کر رہے ہو؟"

"ہاں ویسے بڑی پاکیزہ فطرت کی مالک لڑکی ہے، آپ یقین کیجئے مجھے اس سے پیار ہے، ثناء نے کہا تھا کہ وہ گونگی ہے، لیکن اس کا گونگا پن میں نے ختم کر دیا اور وہ مجھے بھائی کہنے لگی ہے۔"

"گڈ گڈ اس کا مقصد ہے کہ تم یہاں خاصے تعلقات پیدا کرتے جا رہے ہو۔"

"اب آپ کے لئے تو پتہ نہیں کیا کیا کچھ کرنا ہوگا، بہرحال بھائی جان، آپ میری ہدایت پر عمل کیجئے، آج شام کی چائے کے بعد بھابھی بیگم کو چہل قدمی کی دعوت اور پھر یہ چہل قدمی کوٹھی کے باہر تک ہو جائے تو کوئی ہرج نہیں ہے اور اس کے بعد کسی خوبصورت سے علاقے میں جس کی تلاش میں کروں گا آپ بالکل فکر نہ کریں، ویسے میرا خیال ہے سمندر کے کنارے آپ کو یہ کارروائی کرنی تھی، لیکن خیر کوئی بات نہیں نہ سمندر دور ہے اور نہ بھابھی بیگم۔"

(آگے پڑھیے)

"بس اب تم جاؤ منطق کی رو سے۔" خالد نے ہنستے ہوئے کہا۔

"ہاں میرے جانے کا وقت بھی ہو گیا ہے منطق کی رو سے، کچھ لوگوں سے ذرا دلچسپ معاملات چل رہے ہیں، ان کی کھوج بھی ضروری ہے، ویسے میں ان دونوں خواتین کی گفتگو بڑی توجہ سے سنتا ہوں۔"

خالد نے کوئی جواب نہیں دیا آخر مسکراتا ہوا باہر نکل گیا تھا۔

سرخ فائل کے معاملے کے خاتمے کے بعد شہاب کو ردا سے کوئی شکایت نہیں ہوئی تھی، نہ ہی ردا کے سلسلے میں وہ بہت زیادہ پریشان تھا، بات صرف اس وقت تک کی تھی جب تک کہ ردا کو فرینڈز آرگنائزیشن کی حقیقت معلوم تھی اور سرخ فائل اس کے قبضے میں تھی، جس انداز میں اس نے شہاب کی یقین دہانی کے بعد سرخ فائل اس کے حوالے کی تھی اس سے یہ بھی احساس ہوتا تھا کہ اس کے ذہن میں اور کچھ نہیں ہے، تاہم شہاب جو یہ بات اکثر کھٹکتی رہتی تھی کہ ردا اس کے ایک کمزور پہلو سے واقف ہے، اگر رشید درمیان میں نہ آتا اور ضرورت سے زیادہ دلچسپی نہ لیتا تو شاید شہاب اس سلسلے میں زیادہ توجہ نہیں دیتا، لیکن رشید کے اکسانے پر یہ بات شہاب کے ذہن میں بھی پیدا ہوگئی تھی کہ اگر ردا کی حقیقت اس کے علم میں آ جائے تو کم از کم اسے ایسے کسی موقع کے لئے محفوظ رکھے جب ردا بگڑ جائے، ویسے اس کے ذہن میں ردا کے لئے چور ضرور تھا، بہت گہرا آدمی تھا گھر میں معصوم اور باکردار بنا رہتا تھا لیکن باہر کی دنیا وسیع تھی، اس کے شوق اتنے پراسرار تھے کہ لوگوں کو ان کی ہوا بھی نہیں لگنے پاتی تھی۔ گھر میں رہتا تو ہر طرح سے ایک پروقار شخصیت نظر آتا تھا، لیکن بہت سے ایسے کردار تھے جن کے لئے شہاب ایک انتہائی خطرناک شخصیت کا مالک تھا، گھوڑوں کا شوق تھا اور دنیا کے مختلف حصوں میں ہونے والی ریسوں پر بڑے بڑے داؤ لگاتا رہتا تھا، اس کے علاوہ بھی نجانے کیا کیا چکر چلائے ہوئے تھے اس نے جس کی تفصیل ابھی منظر عام پر نہیں آئی تھی، اپنے حصے کی دولت کا تصور اس نے کبھی نہیں کیا تھا، احسان صاحب کا احترام کرتا تھا اور پھر اس کی ضرورت بھی نہیں پیش آئی تھی، شہاب کے اپنے اکاؤنٹس تھے اور احسان صاحب نے اسے کبھی موقع نہیں دیا تھا کہ وہ بھائی کے سامنے ہاتھ پھیلائیں، بلکہ احسان صاحب اپنے ذرائع سے کام لے کر شہاب کا بینک بیلنس بھی منگواتے رہتے تھے اور پھر اس کے حساب میں خود بخود بڑی بڑی رقمیں جمع ہو جایا کرتی تھیں، یہ احسان صاحب کا کردار تھا اور شہاب کو بھی بھائی سے شکایت کا موقع نہیں ہوا تھا، بہرطور وہ اپنے طور پر زندگی گزار رہا تھا اور شاید اسے ہی بہتر سمجھتا تھا، وہ لباس وغیرہ تبدیل کر کے پرفیوم لگا کر شاید کہیں جانے کی تیاری کر رہا تھا کہ رشید اس کے کمرے میں داخل ہو گیا، ڈیزائن بگڑا ہوا تھا، چہرے پر جگہ جگہ نشانات نظر آ رہے تھے، شہاب بھی اسے دیکھ کر چونک پڑا، ایک لمحے کے لئے تو وہ رشید کو پہچان بھی نہیں سکا تھا، پھر اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی، تاہم اس نے سنبھلتے ہوئے کہا۔

"ہوں رشید کیا ہو گیا بھئی، کسی باقاعدہ گروہ سے جا بھڑے تھے کیا؟"

"نہیں جناب، بس ایسے ہی پرسوں پتنگ پر گئے تھے نا کمبخت کوے پیچھے لگ گئے تھے اور انہوں نے ٹھونگیں مار مار کر برا حال کر دیا۔"

"سبحان اللہ صاحب سبحان اللہ، گویا اب انسانوں کے علاوہ پرندوں سے بھی آپ کی جنگ ہونے لگی ہے۔"

"بس اتفاق تھا شہاب بھائی، کیسے مزاج ہیں آپ کے؟"

"ٹھیک ہوں، کوئی کام ہے مجھ سے کچھ چاہیے۔" شہاب نے رشید کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔

شام کے سائے تلے

تفسیر شہاب کا جگری دوست تھا، اگر اسے اسٹیشن پر ریسیو نہ کیا جاتا تو بگڑ جاتا، اس لئے نجانے کتنے عرصے کے بعد شہاب نے ریلوے اسٹیشن پر قدم رکھا تھا۔ سیاہ چادر گیٹ سے نکلی، ٹکٹ چیکر جگہ چھوڑ چکا تھا اس لئے گیٹ خالی پڑا تھا

"نہیں نہیں، بار بار پیسوں کے لئے ہاتھ پھیلانا کوئی اچھی بات تو نہیں ہے، میں اس وقت بالکل پیسے مانگنے نہیں آیا بلکہ ایک دلچسپ اطلاع لے کر آیا ہوں آپ کے لئے۔"

"خوب خوب اور وہ ردا کے بارے میں ہوگی۔" شہاب نے مسکرا کر کہا۔

"سو فیصدی۔" رشید نے کہا اور پھر کمرے کے دروازے کے پاس آ کر باہر جھانکا اور پھر شہاب کے سامنے آ کر بیٹھ گیا۔

"ویسے یار رشید تم اس بیچاری ردا کے پیچھے کیوں پڑے ہوئے ہو۔"

"میں ...نہیں تو شہاب بھائی، دراصل میں تو آپ کو نمک کا حق ادا کرنا چاہتا ہوں۔"

"میں نے تمہیں کبھی نمک نہیں کھلایا بھائی، بس جو کچھ ہو رہا ہے یاری دوستی میں ہو رہا ہے، تم جانتے ہو میں کسی سے دوستی کرنے کا قائل نہیں ہوں، لیکن میں نے تمہیں ذرا دوسروں سے الگ پایا ہے اس لئے تمہاری دوستی اپنا لی ہے۔"

"یہ تو میری خوش بختی ہے شہاب بھائی ورنہ میں کہاں اور آپ کہاں؟"

"کہو ردا کے بارے میں کیا بتانے آئے تھے۔"

"آپ نے جو ڈیوٹی میرے سپرد کی تھی میں اس کے لئے مسلسل کام میں مصروف ہوں۔ اپنے طور پر جو کچھ کر سکتا ہوں، ابھی تین چار دن پہلے ایک دلچسپ واقعہ پیش آیا۔"

"سناؤ سناؤ۔" شہاب دلچسپی سے بولا۔

"ردا حسب معمول دفتر سے نکلی تھی، رکشہ میں بیٹھ کر آتی ہے میں دو تین بار اس سے ملاقات کر چکا ہوں۔ اس دن بھی اسی غرض سے گیا تھا کہ ردا سے کچھ بات چیت ہو جائے۔ دراصل دشمن کو دوست بنا کر اس کے بارے میں کارروائی کرنا دانش مندی ہوتی ہے، لیکن میں ابھی ردا تک پہنچا بھی نہیں تھا کہ تقریباً ایک ادھیڑ عمر آدمی شکل و صورت سے ٹھیک ٹھاک نظر آتا تھا، اچھی شکل کا مالک تھا، بوسیدہ لباس پہنے ہوئے مفلوک الحال نظر آتا تھا۔ ردا کو دیکھ کر چونک پڑا اور پھر اس نے ردا کو نام سے مخاطب کیا اور حیرت سے یہ بات پوچھی کہ وہ کراچی کب آئی، ردا کچھ بدحواس سی ہو گئی تھی، اس نے بدحواسی ہی کے انداز میں ادھیڑ عمر شخص سے کہا کہ وہ اسے نہیں جانتی، تب اس شخص نے ردا سے کہا کہ میں ثاقب ہوں، مجھے السر ہو گیا ہے، میں مریض ہو گیا ہوں ردا اس کے لہجے میں عجیب سی بے بسی کی کیفیت تھی، شہاب بھائی جیسے وہ ردا سے کچھ طلب کرنا چاہتا ہو۔ ردا سے اتنی بے تکلفی سے گفتگو کرنے والا وہ پہلا اجنبی ہے جو ہمارے علم میں آیا ہے، بہرطور ردا ایک رکشے میں بیٹھ کر چلی گئی اس نے یہ نہیں کہا تھا کہ وہ اس شخص کو پہچان گئی ہے، لیکن اس کی بدحواسی یہ بتاتی تھی کہ وہ اس شخص کو دیکھ کر پریشان ہو گئی ہے، میں نے فوراً ہی اس سے رابطہ قائم کیا اور اسے دوست بنانے کی کوشش کی کمبخت چالاک آدمی تھا، میرا خیال ہے پیسے ویسے نہیں تھے اس کی جیب میں بھوکا بھی تھا۔ میں نے اسے ایک ہوٹل میں جا کر کھانا کھلایا۔ اس وقت تک وہ ذلیل ردا سے ناواقفیت کا اظہار نہیں کر رہا تھا بلکہ اس نے ایسا گول مول سا انداز اختیار کیا تھا جیسے کھانے کے بعد وہ مجھے ردا کے بارے میں تفصیلات بتائے گا اور اس سلسلے میں اس نے مجھ سے تھوڑی سی رقم بھی اینٹھ لی اس نے یہ رقم اپنی مفلوک الحالی کا اظہار کر کے مجھ سے مانگی تھی اور میں نے یہ سوچ کر اسے پیسے دیئے تھے کہ ممکن ہے ردا کے بارے میں مجھے کوئی ایسی بات معلوم ہو جائے جو آپ کے لئے کارآمد ہو، لیکن کھانے پینے کے بعد وہ کمبخت بالکل ہی بدل گیا، کہنے لگا کون ردا وہ کسی ردا کو نہیں جانتا، آپ یقین کیجئے اگر معاملہ ردا کا نہ ہوتا، تو گریبان پکڑ کر وہیں دے پٹختا، لیکن میں نے سوچا کہ جلد بازی سے کام نہیں لینا چاہیے، یہ بات تو حقیقت تھی کہ وہ ردا کا کوئی شناسا ہے اور یہ بات اچھی طرح جانتا ہے کہ ردا اس سے پہلے کراچی میں نہیں تھی، میں نے اس شخص سے اس کا ٹھکانہ معلوم کرنے کی کوشش کی کہ پتہ چلا کہ فٹ پاتھیہ ہے اور اس کی تصدیق بھی ہو گئی۔ وہ کھانے پینے کے بعد گرومندر کی طرف جانے والی بس میں سوار ہو گیا تھا، میرا خیال ہے شہاب صاحب کہ اس شخص کو تلاش کر لینا اتنا مشکل کام نہیں ہوگا، ہم اس سے ردا کے بارے میں یقینی معلومات حاصل کر سکتے ہیں میں نے پہلے یہ اطلاع آپ کو دے دینا ضروری سمجھی، چالاک آدمی ہے، کچھ رقم بھی خرچ کرنی پڑے گی اس کے لئے اور میرا خیال ہے رقم کے لئے وہ زبان کھول دے گا۔"

شہاب دلچسپی سے رشید کا ماجرا سن رہا تھا اسے اب رشید کی باتوں میں واقعی دلچسپی محسوس ہو رہی تھی۔

"گڈ ویری گڈ، اگر کوئی ایسا شخص جو ردا کے بارے میں اس کے یہاں آنے سے پہلے کی باتیں جانتا ہو ہمارے ہاتھ لگ جائے تو ہم یقیناً ردا کے بارے میں بہت سی تفصیلات معلوم کر سکتے ہیں۔"

"میرا بھی یہی خیال ہے شہاب بھائی۔"

"تو پھر اب مجھ سے کیا چاہتے ہو؟"

"کچھ نہیں مشورہ لینے آیا ہوں۔"

"ہوں، ایسا کرو اگر کوئی دقت نہ ہو تو آؤ میرے ساتھ چلو، مجھے تھوڑا سا کام ہے اس کے بعد ہم اس شخص کو تلاش کرنے کی کوشش کریں گے اگر واقعی فٹ پاتھیہ ہے تو یقیناً شہر کے کسی نہ کسی علاقے میں نظر آ جائے گا، ممکن ہے گرومندر کے عقبی پارک میں ہی مل جائے وہ جگہ بہت سے لوگوں کا ٹھکانہ ہے۔"

"میں حاضر ہوں شہاب بھائی، بھلا اس میں مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔"

"تو پھر جاؤ پھرتی سے کپڑے بدل کر آ جاؤ۔" شہاب نے کہا۔

"میرے کپڑے تو ٹھیک ہیں شہاب بھائی آپ تیار ہو جائیے۔"

"ہوں چلو پھر چلتے ہیں بلکہ ایسا کرو کہ تم میرے ساتھ باہر نہیں نکلو گے، تم چلے جاؤ اور کوٹھی سے تھوڑے فاصلے پر کھڑے ہو کر میرا انتظار کرو، میں آ رہا ہوں سمجھ رہے ہو نا میری بات، یہاں سے اس طرح ساتھ نکلنا مناسب بات نہیں ہے میں نہیں چاہتا کہ دوسروں کو ہماری اس قربت کا علم ہو، ویسے بھی میں نے تمہیں اپنے لئے پرائیویٹ جاسوس منتخب کیا ہوا ہے اور کوٹھی میں ہونے والے معاملات سے تمہارے ذریعے آگاہی حاصل کرنا چاہتا ہوں ابھی تو کوئی ایسا مسئلہ درپیش نہیں ہے لیکن ممکن ہے کہ کوئی ایسی بات ہو جائے کہ مجھے تمہاری ضرورت پیش آ جائے۔" (جاری ہے)

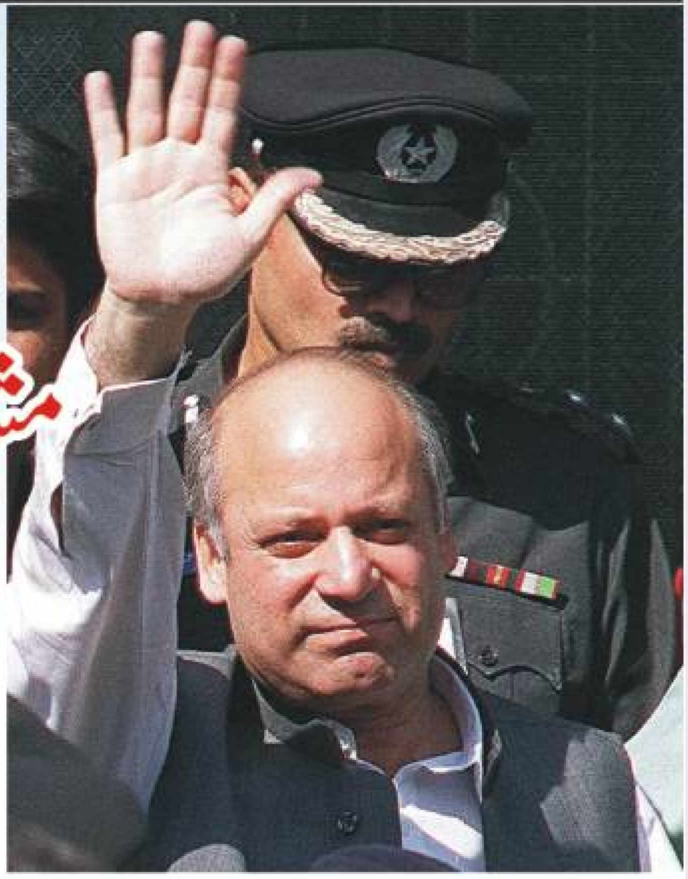

مشرف طیارہ ہائی جیکنگ کیس

جب نواز شریف کو پی آئی اے طیارے کے اغوا کے جرم میں دو بار عمر قید کی سزا سنائی گئی

چھ اپریل 2000 کو کراچی میں ایک عدالت نے نواز شریف، جنھیں 12 اکتوبر 1999 کو ایک فوجی بغاوت کے ذریعے وزارتِ عظمیٰ سے ہٹایا گیا تھا، کو ایک کمرشل طیارے کے اغوا کے جرم میں دو بار عمر قید کی سزا سنائی اور ان کی تمام ذاتی جائیداد ضبط کرنے کا حکم دیا۔

چھ اپریل 2000 کو کراچی میں ایک عدالت نے نواز شریف، جنھیں 12 اکتوبر 1999 کو ایک فوجی بغاوت کے ذریعے وزارتِ عظمیٰ سے ہٹایا گیا تھا، کو ایک کمرشل طیارے کے اغوا کے جرم میں دو بار عمر قید کی سزا سنائی اور ان کی تمام ذاتی جائیداد ضبط کرنے کا حکم دیا۔ پاکستان انٹرنیشنل ایئر لائنز (پی آئی اے) کے سری لنکا سے آتے اس طیارے میں سوار 198 افراد میں اس وقت کے فوج کے سربراہ جنرل پرویز مشرف بھی تھے جنھوں نے نواز شریف کی معزولی اور گرفتاری کے بعد اقتدار سنبھالا اور ان پر طیارہ اغوا کا مقدمہ قائم کیا۔ لیکن یہ مقدمہ واقعے کے لگ بھگ ایک ماہ بعد درج ہوا۔

امریکی اخبار نیویارک ٹائمز کے نمائندے بیری بیئراک کی خبر کے مطابق انسدادِ دہشت گردی عدالت کے جج رحمت حسین جعفری نے چھ دیگر شریک ملزمان (نواز شریف کے چھوٹے بھائی اور پنجاب کے سابق وزیر اعلیٰ شہباز شریف، پرنسپل سیکرٹری محمد سعید مہدی، مشیر برائے سندھ غوث علی شاہ، پی آئی اے کے چیئرمین شاہد خاقان عباسی، احتساب بیورو کے چیئرمین سیف الرحمان اور سندھ کے انسپکٹر جنرل آف پولیس رانا مقبول احمد) کو بری کر دیا۔

یاد رہے کہ سنہ 1997 میں نواز شریف ہی کے دور میں یہ انسدادِ دہشت گردی کی عدالتیں قائم کی گئی تھیں۔ 'انھی ملزمان کے ساتھ کھڑے نواز شریف نے فیصلے پر کوئی ردِ عمل ظاہر نہیں کیا۔ لیکن عدالت میں خاموشی کو ان کی بیٹی مریم نواز کی چیخ نے توڑا۔ 'خدا کا خوف کریں!'، وہ پکاریں۔ 'ان کی والدہ کلثوم نواز نے، ضبط کا مظاہرہ کرتے ہوئے، انھیں اور دیگر روتے ہوئے رشتہ داروں کو خاموش کروانے کی کوشش کی۔'

بیئراک کے مطابق نواز شریف کو اس کے بعد تیزی سے وہاں سے لے جایا گیا۔ 'ان کے اہلِ خانہ اور حامی، جن میں سے بہت سے قرآن مجید تھامے ہوئے تھے، ان کے پیچھے دوڑنے کی کوشش کرتے ہوئے 'نواز شریف زندہ باد!' کے نعرے لگا رہے تھے۔'

استغاثہ اور دفاع

استغاثہ نے مؤقف اختیار کیا تھا کہ نواز شریف نے اس طیارے کو اترنے سے روکنے کی کوشش کی حالانکہ اس میں ایندھن کم ہو رہا تھا۔ جنرل مشرف نے بعد میں اپنی کتاب 'ان دی لائن آف فائر' میں بھی نواز شریف پر الزام عائد کیا کہ انھوں نے طیارے میں موجود افراد کی جانوں کو خطرے میں ڈالا۔ دفاع کے وکلا نے دلیل دی کہ بالآخر طیارے کو ایندھن بھرنے کی اجازت دے دی گئی تھی اور کسی کو نقصان پہنچانے کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ جج نے اپنے فیصلے میں کہا کہ اگر طیارہ کراچی ایئرپورٹ پر اس حالت میں اترنے کی کوشش کرتا جب رن وے کی لائٹس بند تھیں اور فائر بریگیڈ کی گاڑیاں قریب کھڑی تھیں تو وہ یقینی طور پر حادثے کا شکار ہو جاتا۔ جج نے دفاع کی اس دلیل کو مسترد کر دیا کہ پرواز کے سب سے نازک مرحلے میں جب ایندھن کم تھا اس وقت طیارہ جنرل مشرف کے کنٹرول میں تھا۔

بیئراک نے لکھا کہ واقعے کے روز سہ پہر میں وزیرِ اعظم نواز شریف نے سری لنکا کے دورے پر موجود جنرل پرویز مشرف کو برطرف کر دیا تھا اور ان کی جگہ جنرل ضیاء الدین بٹ کو چیف آف آرمی سٹاف تعینات کر دیا تھا۔

'جب فوج کے ایک حصے نے نئے تعینات ہونے والے جنرل کو کمان سنبھالنے کی اجازت نہ دی تو انھوں نے مدد کے لیے نواز شریف سے رجوع کیا۔ اس کے بعد وزیرِ اعظم نے سول ایوی ایشن اتھارٹی کے سربراہ امین اللہ چودھری کو حکم دیا کہ پی کے 805، وہ پرواز جس میں مشرف وطن واپس آ رہے تھے، کا رخ کراچی کی بجائے ملک سے باہر موڑ دیا جائے۔' جج نے نواز شریف کو بیک وقت عمر قید کی دو سزائیں دیں، ایک اغوا کے الزام میں اور دوسری دہشت گردی کے الزام پر۔ پاکستان میں عمر قید کو 25 سال تصور کیا جاتا ہے اگرچہ اچھے رویے کی بنیاد پر قبل از وقت رہائی کا امکان موجود ہوتا ہے۔

157 صفحات پر مشتمل فیصلے میں جج نے لکھا کہ یہ اغوا 'اچانک اور جذبات کے زیرِ اثر' کیا گیا جب نواز شریف کو معلوم ہوا کہ 'چند فوجی اہل کاروں کی وجہ سے ان کا اختیار کمزور ہو چکا ہے۔'

بریت پانے والے پی آئی اے کے اس وقت کے چیئرمین شاہد خاقان عباسی نے برطانوی نشریاتی ادارے کو بتایا کہ رحمت حسین جعفری فیصلہ گھر سے لکھ کر لائے تھے جسے صبح نو بجے سنایا جانا تھا۔ 'لیکن پورا دن ان پر دباؤ ڈالا گیا اور شام کو چھ بجے جا کر فیصلہ سنایا گیا۔'

شاہد خاقان عباسی کہتے ہیں کہ 'جعفری صاحب دلیر جج تھے۔ انھوں نے کسی کو بھی سزا دینے سے انکار کر دیا تھا۔ پھر پورا دن تقریباً نو گھنٹے تک مختلف افسران نے جب ان پر دباؤ ڈالا تو پھر شاید وہ میاں صاحب کو سزا دینے پر تیار ہوئے جن کو سزا دینا اس وقت کے فوجی حکمران کی ضرورت تھی۔' ان کا دعویٰ ہے کہ 'فیصلے کے وہ صفحے جہاں میاں صاحب کو سزا دی گئی بعد میں ٹائپ کیے اور لگائے گئے۔ تعزیراتِ پاکستان میں طیارہ ہائی جیکنگ کی سزا موت ہے لیکن انھوں نے سزائے موت نہیں دی اور انھوں نے وجوہات بھی بتائیں کہ کیوں عمر قید دی جا رہی ہے۔' 'فیصلہ یقیناً غلط تھا لیکن وہ دباؤ کے تحت آیا۔'

شاہد خاقان عباسی کا کہنا تھا: 'پی آئی اے کے چیئرمین کے طور پر اصل الزام مجھ پر تھا کہ جہاز کو ڈائیورٹ کیا (رخ موڑا) ہے، ہائی جیک کیا ہے۔ جب آپ مرکزی ملزم کو بری کر رہے ہیں تو آپ کس طرح کسی سے شریک ملزم کو سزا دے سکتے ہیں؟ انھوں نے شریک ملزم، میاں صاحب، پر دباؤ کے تحت فیصلہ لکھ تو دیا لیکن وہ اتنا کمزور تھا کہ وہ کسی بھی عدالت میں کھڑا نہیں ہو سکتا تھا۔ 'بعد میں اسی فیصلے کی بنیاد پر اپیل میں میاں صاحب کو بری کیا گیا۔'

سرکاری گواہ

نواز شریف کے وکلا نے کہا کہ امین اللہ چودھری کی گواہی کو حد سے زیادہ اہمیت دی گئی۔ ایک وقت میں چودھری خود بھی ملزم تھے لیکن سرکاری گواہ بن کر رہائی حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے۔

بیئراک نے لکھا کہ جب چودھری ملزم تھے تو انھوں نے اپنے وکیل کے ذریعے شکایت کی تھی کہ وہ اس قدر شدید ذہنی دباؤ میں ہیں کہ خودکشی پر غور کر رہے ہیں۔ کچھ عرصے بعد وہ استغاثہ کے گواہ بن گئے اور انھوں نے بیان دیا کہ نواز شریف نے انھیں ذاتی طور پر تین مرتبہ فون کر کے طیارے کا رخ تبدیل کرنے کا حکم دیا تھا۔ ایک وکیلِ صفائی منظور احمد ملک نے کہا: 'انھوں (چودھری) نے اپنی آزادی کسی اور کی گردن کے بدلے خریدی ہے۔' تاہم اپنی کتاب 'ہائی جیکنگ فرام دی گراؤنڈ: دی بزار (عجیب) سٹوری آف پی کے 805' میں امین اللہ چودھری نے بتایا ہے کہ سول ایوی ایشن آرڈیننس کے تحت وزیرِ اعظم کو کسی بھی کمرشل پرواز کا راستہ تبدیل کرنے اور ڈائریکٹر جنرل کو کسی بھی ہوائی اڈے کو بند کرنے کا اختیار تھا۔

'جب پی کے 805 کے پائلٹ نے ناور کو بتایا کہ طیارے میں ایندھن کم ہو رہا ہے، تو اسے نواب شاہ میں اترنے کی اجازت دے دی گئی۔ تاہم اس سے پہلے کہ وہ ایسا کر پاتا،

فوج نے قائداعظم انٹرنیشنل ایئرپورٹ کے کنٹرول ٹاور پر قبضہ کرلیا اور پی کے 805 کو کراچی واپس آنے کا حکم دیا۔' 'اس کے باوجود، اب طیارے کے کاک پٹ میں موجود مشرف مزید اڑان میں رہے اور مزید 38 منٹ تک فضا میں موجود رہے، یہاں تک کہ انھیں یقین ہوگیا کہ فوج نے نواز شریف کو اقتدار سے ہٹا دیا ہے۔' نومبر 1999 کو پہلی بار نواز شریف کو عدالت میں پیش کیا گیا۔ انھوں نے اپنے خلاف عائد الزامات — سازش قتل، اغوا اور طیارہ ہائی جیکنگ — کی سختی سے تردید کی۔ انھوں نے عدالت میں کہا، 'میں نے ہائی جیکنگ کی سازش نہیں کی۔'

'ہائی جیکنگ بندوق کے زور پر کی جاتی ہے۔ اس معاملے میں پوری جمہوری حکومت کو ہائی جیک کیا گیا ہے۔' بری ہونے والے بیوروکریٹ سعید مہدی اپنی کتاب 'دی آئی وٹنیس' میں لکھتے ہیں کہ 'وزیرِاعظم کے علم میں پہلے ہی تھا کہ سری لنکا کے دورے پر جانے سے قبل جنرل مشرف نے ٹرپل ون بریگیڈ کا ایک بڑا دستہ وزیرِاعظم ہاؤس کے قریب تعینات کر دیا تھا اور یہاں سکیورٹی اور پروٹوکول ڈیوٹی پر مامور فوجی عملے کو بھی تبدیل کر دیا تھا۔'

'نواز شریف نے لیفٹیننٹ جنرل ضیاء الدین سے ملاقات کی اور ان کے کندھوں پر بیج لگایا، بالکل اسی طرح جیسے ایک سال پہلے انھوں نے پرویز مشرف کو آرمی چیف مقرر کرتے وقت اپنے ملٹری سیکرٹری سے ستارے کر لگایا تھا۔'

'مجھے حیرت نہیں ہوئی جب مجھے معلوم ہوا کہ جنرل ضیاء الدین کے تقرر کی نشریاتی ویڈیو شام 5.00 بجے اعلان کے بعد ٹی وی پر نہیں دکھائی جا رہی تھی۔ اس کا مطلب تھا کہ فوج نے پی ٹی وی کا کنٹرول سنبھال لیا تھا، اور میں نے اندازہ لگا لیا کہ ان کا اگلا ہدف وزیرِاعظم ہاؤس ہوگا۔' سعید مہدی کے مطابق 'نواز شریف نے اس کے بعد امن و امان قائم رکھنے کے لیے ہدایت دی کہ مشرف کے طیارے کا رخ مسقط کی طرف موڑ دیا جائے۔ اس سے پائلٹ کے لیے ایک حقیقی مسئلہ پیدا ہوگیا کیونکہ طیارے میں ایندھن کم تھا، یا پھر جیسا کہ پائلٹ نے مشرف کے زیرِ اثر ظاہر کیا۔ تاہم بعد میں سول ایوی ایشن کے ڈائریکٹر جنرل امین اللہ چودھری نے اس بات سے انکار کیا کہ ایندھن کی کوئی حقیقی کمی تھی۔'

مہدی کے مطابق کچھ بحث کے بعد جب یہ بات نواز شریف کو سمجھائی گئی تو انھوں نے اجازت دے دی کہ طیارہ کراچی میں اتر سکتا ہے۔ جب طیارے کو اپنے مقررہ شیڈول کے مطابق کراچی میں اترنے کی اجازت دے دی گئی تو اسے ہائی جیکنگ کیسے قرار دیا جاسکتا ہے؟'

'میری 45 دن کی قید تنہائی کے دوران مجھ پر دباؤ ڈالا گیا کہ میں نواز شریف کے خلاف سرکاری گواہ بن جاؤں، جس سے میں نے صاف انکار کر دیا۔ میں نے کہا کہ میرا ضمیر اس کی اجازت نہیں دیتا۔'

'لانڈھی جیل میں بھی یہی صورتحال رہی۔ میرا نام بھی 30 نومبر 1999 کو درج کی گئی نظرِ ثانی شدہ ایف آئی آر میں شامل کیا گیا، جبکہ 10 نومبر 1999 کو درج کی گئی پہلی ایف آئی آر میں میرا نام موجود نہیں تھا۔ غالباً وہ یہ دیکھنا چاہتے تھے کہ آیا میں نواز شریف کے خلاف گواہ بنتا ہوں یا نہیں۔'

شاہد خاقان عباسی کے مطابق مقدمے میں کوئی حقیقت، کوئی سچائی نہیں تھی۔ 'مشرف صاحب نے اپنی بغاوت، وزیرِاعظم کے احکامات ماننے سے انکار اور اپنے اقتدار کو جواز دینے کے لیے بنایا تھا۔'

'میرا کوئی وکیل نہیں تھا۔ مجھے پتا تھا کہ میری بات دوسرے ملزمان، خاص طور پر میاں صاحب کے خلاف استعمال ہوگی۔ اس لیے میں نے اپنی کوئی صفائی پیش نہیں کی۔'

'جہاز کو کبھی خطرہ نہیں تھا'

اوون بینیٹ جونز نے اپنی کتاب 'پاکستان: دی آئی آف دی سٹورم' میں لکھا ہے کہ سرکاری استغاثہ کے وکلا نے موقف اختیار کیا کہ کراچی کے رن وے پر فائر انجنوں کی موجودگی اس بات کا ثبوت ہے کہ وزیرِاعظم نے طاقت کے ذریعے طیارے پر کنٹرول حاصل کیا۔ تاہم نواز شریف کے وکلا نے کہا کہ اگر کوئی ہائی جیکنگ کا مرتکب تھا تو وہ خود جنرل مشرف تھے، کیونکہ انھوں نے طیارے کا کنٹرول سنبھال لیا تھا۔

جونز لکھتے ہیں کہ خود مشرف کے بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ

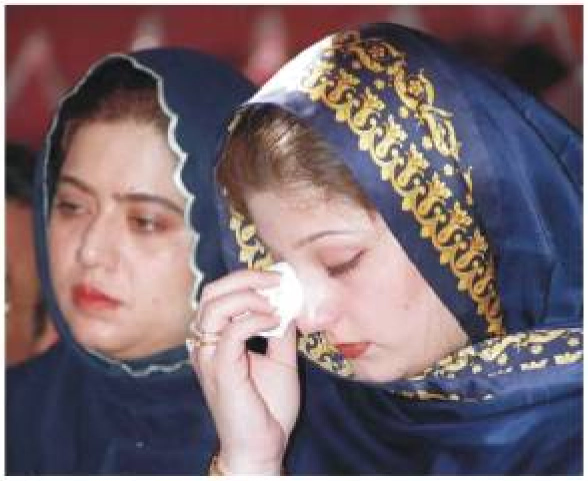

انھوں نے پرواز کے دوران فیصلہ سازی میں مرکزی کردار ادا کیا، اگرچہ انھوں نے طاقت استعمال نہیں کی — جو ہائی جیکنگ ثابت کرنے کے لیے ضروری عنصر ہے۔ تاہم وہ عدالت جس نے نواز شریف کا مقدمہ سنا، اس نے بلیک باکس کی ریکارڈنگ کبھی سنی ہی نہیں۔ یہ واضح نہیں کہ جہاز کے بلیک باکس کے ساتھ اصل میں کیا ہوا مگر اتنا ضرور کہا جا سکتا ہے کہ اس میں ایسا مواد موجود تھا جو جنرل مشرف کے لیے شرمندگی کا باعث بن سکتا تھا، اور وہ مواد کبھی عوام کے سامنے نہیں آیا۔

شاہد خاقان عباسی، جو بعد میں وزیرِاعظم بھی رہے، کہتے ہیں کہ پرواز کی لاگ بک پائلٹ خود فلائٹ کے بعد بھرتا ہے۔ ان کے مطابق اس میں ایسی کوئی بات نہیں لکھی ہوئی تھی کہ جہاز کو کبھی خطرہ ہوا۔

'بلکہ الٹا پائلٹ نے کاک پٹ وائس ریکارڈر، جو کاک پٹ کے اندر ہونے والی بات چیت ریکارڈ کرتا ہے کو ایریز کر (اڑا) دیا تھا۔ حالانکہ جب بھی جہاز میں کوئی واقعہ رونما ہوتا ہے تو سب سے پہلے پائلٹ اس ریکارڈنگ کو محفوظ کرتا ہے تاکہ وہ اس کے حق میں استعمال ہو سکے۔'

جونز کے مطابق یہ یاد رکھنا ضروری ہے کہ سب سے پہلے طیارے کا رخ موڑنے کا حکم نواز شریف نے دیا تھا جو کم از کم ایک غیر اخلاقی فیصلہ تھا۔ 'جب طیارہ شام سات بج کر 47 منٹ پر اترا تو مشرف کے مطابق اس میں صرف 7 منٹ کا ایندھن باقی تھا۔ فلائٹ لاگ کے مطابق 1,200 کلوگرام ایندھن باقی تھا، جو اگر طیارہ بلندی پر جا رہا ہوتا تو تقریباً 5 منٹ اور اگر سیدھا اڑ رہا ہوتا تو 10 سے 15 منٹ کے لیے کافی ہوتا۔ اس وقت تک بغاوت تقریباً مکمل ہو چکی تھی۔

'رات 10 بج کر 15 منٹ پر پی ٹی وی نے دوبارہ نشریات شروع کیں اور نواز شریف کی حکومت کے خاتمے کا اعلان کیا۔' جنرل مشرف نے اگلے روز صبح دو بج کر 50 منٹ پر خطاب کیا: 'میں سری لنکا کے سرکاری دورے پر تھا۔ واپسی پر پی آئی اے کی کمرشل پرواز کو کراچی میں اترنے کی اجازت نہیں دی گئی بلکہ اسے پاکستان سے باہر بھیجنے کا حکم دیا گیا۔ ایندھن کی شدید کمی کے باعث تمام مسافروں کی جانیں خطرے میں تھیں۔ لیکن اس کے باوجود اللہ کا شکر ہے کہ فوج کی بروقت کارروائی سے اس مذموم منصوبے کو ناکام بنا دیا گیا۔'

'میرے عزیز ہم وطنو، پس منظر بیان کرنے کے بعد میں آپ کو بتانا چاہتا ہوں کہ مسلح افواج نے مزید عدم استحکام کو روکنے کے لیے آخری حل کے طور پر قدم اٹھایا ہے۔' یوں پاکستان میں فوجی حکمرانی کا ایک اور دور شروع ہو گیا۔'

شاہد خاقان عباسی کا کہنا تھا کہ گرفتاری کے تقریباً چھ ہفتے تک انھیں عدالت میں پیش نہیں کیا گیا۔ اس دوران کافی تفتیش کی گئی۔ 'میں نے ان کو پہلے ہی دن لکھ کے دیا کہ جہاز کی تمام ذمہ داری میری ہے اور جو بھی ہدایات اس دن پی آئی اے نے جاری کیں، میں نے کیں۔ اگر کوئی غلط ہدایات ہیں تو آپ مجھے بتا دیں۔' 'دباؤ تھا کہ یہ بیان دیں کہ آپ کو میاں صاحب نے فون کیا تھا اور کہا تھا کہ جہاز کو کہیں اور بھیج دیں تو ہم سب نے انکار کر دیا۔ دو ہی افراد تھے جن کی ان کو ضرورت تھی ایک میں اور دوسرے غوث علی شاہ صاحب۔ ہم نے اس وقت دباؤ قبول نہیں کیا۔' 'بدقسمتی سے امین اللہ چودھری صاحب اپروور (وعدہ معاف گواہ) بن گئے۔ اللہ تعالیٰ ان کی بخشش فرمائے، ان کو شاید اس بات کا احساس نہیں تھا کہ ان کی بات سے کتنے افراد کو پھانسی ہو سکتی تھی۔'

عباسی نے بتایا کہ شروع میں تو ہم سارے مختلف مقامات پر تھے۔ 'اس کے بعد جب عدالت میں پیش کیا گیا تو لانڈھی جیل منتقل کر دیا گیا۔' 'لانڈھی جیل کے اندر دو چھوٹی جیلیں تھیں جن میں دس دس چکیاں یعنی سیلز تھے۔ بہت سخت پہرہ تھا۔ 36 دن انھوں نے دروازہ نہیں کھولا حالانکہ جیل میں سزائے موت کے قیدیوں کو بھی دن میں ایک بار باہر چلنے پھرنے کی اجازت دی جاتی ہے۔ وہاں کوشش تھی کہ ہمارے حوصلے پست کیے جائیں۔' 'ایف آئی آر تقریباً سات آٹھ صفحے کی انگریزی میں ٹائپ شدہ تھی۔ کیس کے پہلے ہی دن جب جج صاحب نے درخواست دہندہ کو بلایا اور ان سے پوچھا کہ آپ نے یہ حالات خود دیکھے تھے تو انھوں نے کہا نہیں میں نے یہ سنے تھے تو جج صاحب نے ایف آئی آر اٹھا کر باہر پھینک دی تھی۔'

نیا قانون پچھلی تاریخوں سے لاگو

ہیومن رائٹس واچ کی 2001 کی رپورٹ میں کہا گیا کہ دسمبر 1999 میں فوجی حکومت نے انسداد دہشت گردی ایکٹ میں ترمیم کرتے ہوئے اغوا اور سازش کو ان جرائم کی فہرست میں شامل کیا جو انسداد دہشت گردی عدالت کے دائرہ اختیار میں آتے تھے۔ 'بعد ازاں یہ دفعات ماضی سے نافذ کرتے ہوئے نواز شریف پر لاگو کی گئیں۔ ایک اور ترمیم کے ذریعے حکومت کو یہ اختیار دیا گیا کہ وہ اس جج کو تبدیل کر سکے جو اصل میں اس مقدمے کی سماعت کے لیے مقرر کیا گیا تھا اور جو نواز شریف کا مقرر کردہ تھا۔'

دباؤ اور وکیل کا قتل

'جنوری میں نئے جج (شبیر احمد) نے کھلے عام شکایت کی کہ ان کی عدالت میں خفیہ اداروں کے اہلکار موجود ہیں۔ بیتر اک نے لکھا کہ جج نے اس کے بعد اس مقدمے کو دوبارہ اسی نچلی عدالت کے جج کے پاس بھیج دیا جنھوں نے صرف ایک ماہ پہلے اسے ان کے پاس منتقل کیا تھا۔ عباسی نے برطانوی نشریاتی ادارے کو بتایا: 'سماعت کے دوران میں نے کھڑے ہو کر جج صاحب سے کہا کہ یہ انٹیلی جنس کا افسر یہ دباؤ ڈال رہا ہے تو اس پر انھوں نے کہا کہ میں کیس نہیں سنوں گا، یہ عدالت کی توہین کر رہے ہیں۔ تو وہ کیس پھر وہاں سے دوبارہ رحمت حسین جعفری صاحب کے پاس آ گیا۔' 'مارچ میں، جب مقدمے میں حتمی دلائل پیش ہونے میں صرف چند دن باقی تھے تو نواز شریف کے وکیل اقبال رعد اور ان کے دو ساتھیوں کو ان کے دفتر میں قتل کر دیا گیا۔

روری مکارتھی نے گارڈین اخبار میں اپنی رپورٹ میں لکھا کہ رعد کے ایک اور سینئر ساتھی اعجاز بٹالوی، جنھوں نے فروری میں جج کے خلاف احتجاجاً دفاعی ٹیم سے علیحدگی اختیار کر لی تھی، نے کہا کہ مقدمے کے دوران وکلا کا تعاقب کیا جا رہا تھا۔

'دو ہفتے قبل رعد، جو سندھ کے سابق ایڈووکیٹ جنرل تھے، کے دفتر سے ایک فیکس مشین اور ٹیلی فون بھی چوری ہوئے تھے۔' بریت تو ہو گئی لیکن ـــــ

شاہد خاقان عباسی نے بتایا کہ 'سزا تو ہمیں نہیں ملی لیکن ہمیں پتا تھا کہ ہمیں جیل سے چھوڑا ابھی نہیں جائے گا۔' وہاں سے واپس لانڈھی جیل تقریباً ایک گھنٹے کا سفر تھا۔ میں میاں صاحب کے ساتھ ایک بکتر بند گاڑی میں تھا۔ میاں صاحب کو کچھ پریشانی ضرور تھی لیکن انھوں نے بہت ہمت کے ساتھ اس ناانصافی کو قبول کیا۔

'جب ہم جیل واپس پہنچے تو وہاں پر کچھ افسران نے کہا کہ ہمیں ہتھکڑی لگائی جائے۔ جیل کے افسران نے ہتھکڑی لگانے سے انکار کر دیا، بالآخر ایک انٹیلی جنس افسر نے ہم سب کو ہتھکڑی لگائی اور جیل کے اندر لے گئے۔ وہ ایک طرح سے ذلیل کرنا چاہتے تھے۔ جیل کے اندر کبھی ہتھکڑی نہیں لگائی جاتی۔ انسداد دہشت گردی عدالت سے سزا کے ایک ماہ بعد نواز شریف کو اٹک قلعہ منتقل کر دیا گیا تاکہ ہیلی کاپٹر کی خریداری کے سلسلے میں اثاثے چھپانے اور ٹیکس چوری کے الزامات پر مقدمہ چلایا جا سکے۔ 22 جولائی کو انھیں اس مقدمے میں بھی مجرم قرار دے کر 14 سال قید اور دو کروڑ روپے جرمانے کی سزا سنائی گئی۔

عباسی بتاتے ہیں کہ مختلف دیگر الزامات لگا کر ہمارے خلاف مزید کیسز بنا دیے گئے اور اس کے تقریباً ایک، سوا ایک سال کے بعد جا کے ہمیں جیل سے رہائی ملی۔

نواز شریف کی دو عمر قید کی سزاؤں کے خلاف اپیل پر منقسم فیصلے میں سندھ ہائی کورٹ نے ہائی جیکنگ کی سزا برقرار رکھی، لیکن دہشت گردی کے الزام میں دی گئی قید کو ختم کر دیا۔ سندھ ہائی کورٹ نے ریاست کی اس اپیل کو بھی مسترد کر دیا جس میں معزول وزیرِاعظم کو ہائی جیکنگ اور دہشت گردی کے جرم میں سزائے موت دینے کا مطالبہ کیا گیا تھا۔

سزا معافی اور جلاوطنی

لیوک ہارڈنگ کی گارڈین کے لیے رپورٹ تھی کہ 10 دسمبر سنہ 2000 کو معزول پاکستانی وزیرِاعظم نواز شریف نے فوجی حکومت کی جانب سے رہائی کے بعد جلاوطنی میں سعودی عرب میں نئی زندگی کا آغاز کیا۔

جنرل پرویز مشرف کی حکومت نے اچانک ان کی عمر قید کی سزا معاف کرنے کا اعلان کیا۔ وہ 14 ماہ سے جیل میں تھے اور اغوا، ہائی جیکنگ اور بدعنوانی کے مقدمات میں سزا یافتہ تھے۔' وہ دوپہر کو سعودی شاہی خاندان کے نجی طیارے میں جدہ پہنچے، ان کے ساتھ ان کی اہلیہ کلثوم، تین بچے اور بزرگ والدین سمیت خاندان کے 18 افراد بھی تھے۔' پاکستانی حکومت کے بیان میں کہا گیا کہ نواز شریف اور ان کے خاندان کو سعودی عرب جلاوطن کر دیا گیا ہے، اور یہ فیصلہ ملک اور عوام کے بہترین مفاد میں کیا گیا ہے۔ 17 جولائی 2009 کو پاکستان کی سپریم کورٹ نے سابق وزیرِاعظم کی اغوا کے مقدمے میں سزا کو کالعدم قرار دے دیا، جس سے ان کے دوبارہ اقتدار کے لیے انتخاب لڑنے کی راہ میں ایک بڑی رکاوٹ ختم ہو گئی۔

☆......☆

کیا صبح سویرے گرم پانی پینا آپ کی صحت کے لیے مفید ہے؟

نیم گرم پانی غذائی نالی (جو گلے کو معدے سے جوڑتا ہے) میں ہونے والی اینٹھن کو آرام پہنچا سکتا ہے۔ 'اس کے علاوہ، کسی بھی قسم کا پانی پینا، ٹھنڈا یا گرم، جسم میں پانی کی کمی کو پورا کرنے میں فائدہ مند تو ہے ہی۔'

......میگزین رپورٹ......

'میں نے یہ سوشل میڈیا پر دیکھا، اور میں ایک کے بعد ایک ایسی ویڈیوز دیکھتی رہی...... پھر میں نے سوچا، کیوں نہ اسے آزمایا جائے۔' یہ کہنا ہے کہ 21 سالہ مریم خان کا جو سوشل میڈیا پر جاری ایک ٹرینڈ کے بعد جس رجحان کو اپنا رہی ہیں وہ کوئی پیچیدہ ورزش یا سکن کیئر پروڈکٹ نہیں ہے بلکہ نہار منہ گرم پانی پینا ہے۔ گرم یا نیم گرم پانی پینے کے فوائد کو روایتی چینی طب اور آیورویدہ میں ہزاروں برسوں سے بیان کیا گیا ہے لیکن اس سال کے شروع میں سوشل میڈیا پر وائرل ہونے کے بعد اب یہ پرانی عادت پوری دنیا کے لوگوں تک پہنچ چکی ہے۔ ٹک ٹاک اور انسٹاگرام پر لاکھوں مرتبہ دیکھی جانے والی ویڈیوز کو 'بیوٹی چائنیز' اور 'چائنا میکسنگ' جیسے ٹیگز کے ساتھ شیئر کیا جا رہا ہے۔ ان میں زیادہ تر نوجوانوں کو دکھایا گیا ہے کہ وہ اپنے دن کا آغاز گرم پانی پینے، گرما گرم ناشتہ کرنے اور ورزش سے کرتے ہیں۔

لیکن کیا یہ عادات واقعی آپ کی صحت کو بہتر بنا سکتی ہیں؟

چینی روایتی ادویات کا نظریہ

روایتی ادویات کے بارے میں ایک بنیادی عقیدہ، جس پر چین میں لاکھوں لوگ عمل کرتے ہیں، یہ ہے کہ 'چی' (Qi) نامی توانائی، جسم میں بہتی ہے اور جب توانائی کا یہ بہاؤ مسدود یا غیر متوازن ہو جاتا ہے تو انسان بیمار ہو جاتا ہے۔ اس خیال پر یقین رکھنے والوں کا کہنا ہے کہ نیم گرم پانی جس کا درجہ حرارت 40 سے 60 ڈگری سینٹی گریڈ تک ہو، پینے سے 'چی' میں اضافہ ہوتا ہے اور جسم میں اس کا توازن برقرار رہتا ہے، جس کا نتیجہ صحت میں بہتری اور طویل العمری کی شکل میں نکلتا ہے۔

روایتی چینی ادویات پر تحقیق کرنے والے پروفیسر شون اوکا کہنا ہے کہ 'اسے ایک گھر کی طرح سمجھیں۔' ان کا کہنا ہے کہ صحت کے اس جامع نظام میں ٹھنڈا کھانا، گھر میں آنے والی ٹھنڈی ہوا کی مانند ہے۔ یہ سوچ روایتی چینی طب میں دیگر مشوروں سے بھی مطابقت رکھتی ہے، جیسے کہ گھر میں گرم چپل پہننا اور دن کا آغاز گرم ناشتے سے کرنا۔

مریم خان، لندن کی رہائشی اور ایک آرکیٹیکچرل اسسٹنٹ ہیں۔ انھوں نے سب سے پہلے اس ٹرینڈ کو ٹک ٹاک پر دیکھا اور ان کے لیے، یہ عادت ان کے روایتی چینی طب کو اپنانے کا نقطہ آغاز ثابت ہوئی۔ وہ کہتی ہیں کہ انھیں اپنا دن تائی چی کے ساتھ شروع کرنے سے فائدہ ہوا ہے، جس میں آہستہ، ہموار حرکت، گہری سانسیں اور مراقبہ شامل ہیں۔ انھوں نے اپنی معمول کی کافی کو بھی گرم پانی سے بدل لیا ہے۔ وہ کہتی ہیں، 'مجھے صبح کیفین لینے کے بعد تھکن محسوس ہوتی تھی، لیکن میں اس کی وجہ نہیں سمجھ پاتی تھی۔ پھر میں نے سادہ گرم پانی پینا شروع کر دیا اور کبھی کبھی اس میں پودینہ یا لیموں بھی شامل کر لیا۔ اس سے میں نے خود کو زیادہ تروتازہ محسوس کیا۔'

لوگ روایتی ادویات سے کیوں رجوع کر رہے ہیں؟

ورلڈ ہیلتھ آرگنائزیشن (ڈبلیو ایچ او) میں گلوبل ٹریڈیشنل میڈیسن سینٹر کی عبوری ڈائریکٹر ڈاکٹر شیاما کرووِلا کہتی ہیں کہ روایتی چینی طرز زندگی سے متعلق تجاویز میں نوجوانوں کی آن لائن دلچسپی معاشرے میں بڑھتے ہوئے ایک نئے رجحان کی عکاسی کرتی ہے۔ ان کا کہنا تھا 'یورپ میں آبادی پر مبنی مطالعات بھی کیے گئے ہیں۔ جرمنی میں ہونے والی ایک تحقیق سے معلوم ہوا ہے کہ 70 فیصد یا اس سے زیادہ لوگ روایتی ادویات کی کسی نہ کسی شکل کو استعمال کرتے ہیں۔ مزید یہ کہ چین اور انڈیا جیسے کچھ ممالک میں یہ تعداد 90 فیصد سے زیادہ ہو سکتی ہے۔'

کچھ لوگ جدید طب پر اعتماد نہیں کرتے اور یہ سوچ کووڈ 19 کی وبا کے بعد بڑھی ہے۔ ایک امریکی تحقیق کے مطابق ڈاکٹروں اور ہسپتالوں پر اعتماد 2020 میں 70 فیصد سے کم ہو کر 2024 تک تقریباً 40 فیصد رہ گیا۔ کچھ لوگوں کے پاس جدید علاج تک رسائی نہیں ہے یا وہ روایتی ادویات کو ایک سستا متبادل سمجھتے ہوئے اپناتے ہیں۔

کچھ لوگ روایتی ادویات کی طرف بھی اس لیے بھی راغب ہوتے ہیں کیونکہ علاج کے لیے اس میں ذاتی اور جامع انداز فکر موجود ہے۔ گرم پانی پینے جیسی عادات صحت کے حوالے سے ایک ایسے نظام کا آغاز ہو سکتی ہیں جو دماغ، جسم اور ماحول کے درمیان توازن پر زور دیتا ہے۔ بہت سے لوگوں کے لیے شفایابی کے ایسے طریقوں کی گہری ثقافتی، روحانی اور تاریخی اہمیت بھی ہے۔

ڈاکٹر کرووِلا کے مطابق 'روایتی ادویات کے کئی ماہرین اور قبائلی کمیونٹیز کہتی ہیں کہ ہم اسے ہزاروں برس سے استعمال کر رہے ہیں اور ہم نے دیکھا ہے کہ اس سے لوگوں کو فائدہ ہوتا ہے۔'

عالمی ادارہ صحت کا عالمی مرکز برائے روایتی ادویات پالیسی سازوں اور مریضوں کو مناسب رہنمائی فراہم کرنے کے لیے شواہد کا جائزہ لیتا رہتا ہے۔ ڈاکٹر کرووِلا کے مطابق یہ ایک بہت مشکل کام ہے، کیونکہ اس وقت دنیا بھر میں ہیلتھ ریسرچ فنڈز کا ایک فیصد سے بھی کم روایتی ادویات پر تحقیق کے حوالے سے خرچ کیا جاتا ہے۔ 'اس شعبے میں ٹھوس شواہد کو بہتر بنانے کی ضرورت ہے۔' ڈبلیو ایچ او کے ماہرین کا کہنا ہے کہ مریضوں کو روایتی ادویات کو اپنانے سے پہلے اپنے ڈاکٹر سے مشورہ کرنا چاہیے تاکہ یہ یقینی بنایا جا سکے کہ یہ ان کے علاج کے لیے محفوظ ہے۔

لیکن خاص طور پر گرم پانی پینے کے بارے میں کیا خیال ہے؟

ڈبلیو ایچ او کے پاس اس بارے میں کوئی خاص رہنما خطوط نہیں ہیں، لیکن کرووِلا کا کہنا ہے کہ یہ اس بات پر منحصر ہے کہ پانی کتنا گرم ہے، آپ کتنا پیتے ہیں اور آپ کی صحت کیسی ہے۔ 'یہ سب ثبوت اور توازن پر منحصر ہے۔'

سائنس کیا کہتی ہے؟

جنرل پریکٹیشنر اور لمبی عمر کے ادویات کی ماہر ڈاکٹر روزی بروکس کا کہنا ہے کہ نہار منہ نیم گرم پانی پینے کے کچھ فوائد ہو سکتے ہیں۔ وہ کہتی ہیں، 'اس سے ہاضمے میں تھوڑی مدد مل سکتی ہے اور قبض سے بھی نجات مل سکتی ہے۔' ان کا مزید کہنا ہے کہ کچھ شواہد یہ بھی بتاتے ہیں کہ نیم گرم پانی غذائی نالی (جو گلے کو معدے سے جوڑتا ہے) میں ہونے والی اینٹھن کو آرام پہنچا سکتا ہے۔ 'اس کے علاوہ، کسی بھی قسم کا پانی پینا، ٹھنڈا یا گرم، جسم میں پانی کی کمی کو پورا کرنے میں فائدہ مند تو ہے ہی۔'

برطانیہ کے ایک نجی کلینک ڈاکٹر ہیلن میڈیکل کی جی پی اور لائف سٹائل فزیشن ڈاکٹر سلینا گرے کہتی ہیں، 'اس بات کا کوئی ثبوت نہیں ہے کہ ٹھنڈا پانی صحت کے لیے نقصان دہ ہے۔' وہ اس بات پر بھی زور دیتی ہیں کہ سوشل میڈیا پر دعووں کے باوجود، اس بات کا کوئی ثبوت نہیں ہے کہ نیم گرم پانی پینے سے چربی کم ہوتی ہے، میٹابولزم بڑھتا ہے یا یہ جسم کو 'ڈی ٹاکس' کرتا ہے۔

ان کے مطابق، 'اگر کسی کو نیم گرم پانی پسند ہے اور اس سے اسے زیادہ پانی پینے کا موقع ملتا ہے، تو یہ ٹھیک ہے، لیکن یہ میٹابولک شارٹ کٹ نہیں ہے۔'

سنگاپور میں پلنے بڑھنے اور روایتی چینی ادویات کے ماحول میں رہنے والی۔ سلینا گرے کا کہنا ہے کہ 'مجھے اب بھی اپنی ماں کی آواز یاد ہے کہ گرم پانی پیو، یہ جسم کو اندر سے گرم رکھتا ہے۔' وہ مزید کہتی ہیں، 'یہ روایات ایسے معمولات زندگی فراہم کرتی ہیں جو قدرتی محسوس ہوتے ہیں، اپنانے میں آسان ہیں اور ثقافتی معنی بھی رکھتے ہیں۔'

تحقیق کیا کہتی ہے؟

اگرچہ گرم پانی پینے کے فوائد کے لیے بہت کم ٹھوس شواہد موجود ہیں، لیکن تحقیق بتاتی ہے کہ کچھ دوسرے روایتی طریقے فائدہ مند ہو سکتے ہیں۔ مثلاً مکمل قدرتی اجزا سے بنا گرم ناشتہ ٹھنڈے اناج سے زیادہ غذائیت بخش ہو سکتا ہے۔ اگرچہ اس بات کا کوئی ثبوت نہیں ہے کہ ٹھنڈے پاؤں بیماری کا باعث بنتے ہیں، جسم کو گرم اور آرام دہ رکھنا آرام دہ اور بہتر نیند کی وجہ بن سکتا ہے۔ کچھ چھوٹے لیکن امید افزا مطالعات سے پتہ چلا ہے کہ روایتی چینی مشقیں جیسے تائی چی اور چیگونگ، جسم کی طاقت اور لچک کو بڑھانے کے ساتھ ساتھ تناؤ کو کم کرنے میں مدد کر سکتی ہیں۔ چینی طب کے ماہر شون اوکا کہنا ہے کہ 'اکثر ہماری روزمرہ کی زندگی میں، ہمارا دماغ بہت تیزی سے چلتا ہے، اور ہمارا جسم اور دماغ مختلف جگہوں پر ہوتا ہے۔' وہ مزید کہتے ہیں، 'مراقبہ، چیگونگ یا تائی چی، ان کا مقصد اسے سست کرنا ہے۔'

ڈاکٹر بروکس کا خیال ہے کہ نیم گرم پانی پینے کے صحت کے لیے کوئی خاص فوائد نہیں ہیں، لیکن یہ ذہنی طور پر فائدہ مند ہو سکتا ہے۔ وہ کہتی ہیں، 'یہ ایک طرح کا معمول ہے جو آپ کو اپنے لیے کچھ وقت دیتا ہے، جسے ہم اپنی مصروف زندگی میں اکثر بھول جاتے ہیں۔'

مریم خان کا بھی کہنا ہے کہ صبح گرم پانی پینا اپنے لیے کچھ وقت نکالنے کے مترادف ہے اور انھوں نے اپنی ذہنی صحت پر مثبت اثر محسوس کیا ہے۔ وہ کہتی ہیں، 'میں اسے پرسکون ہونے اور اپنے دن کی شروعات سوچ سمجھ کر کرنے کے ایک موقع کے طور پر لیتی ہوں۔'

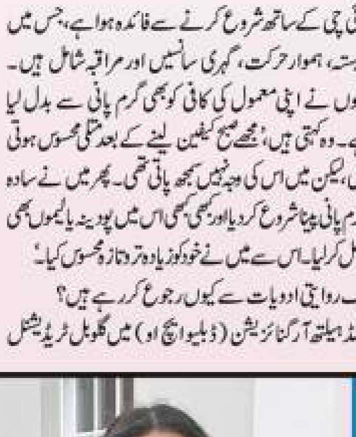

مریم خان کا بھی کہنا ہے کہ صبح گرم پانی پینا اپنے لیے کچھ وقت نکالنے کے مترادف ہے اور انھوں نے اپنی ذہنی صحت پر مثبت اثر محسوس کیا ہے۔ وہ کہتی ہیں، 'میں اسے پرسکون ہونے اور اپنے دن کی شروعات سوچ سمجھ کر کرنے کے ایک موقع کے طور پر لیتی ہوں۔'

کیا واقعی تناؤ آپ کی جلد کو متاثر کرسکتا ہے؟

تناؤ جلد پر کئی منفی اثرات ڈال سکتا ہے، جیسے مہاسوں کا بڑھ جانا، جلد کا خشک اور حساس ہونا، انفیکشن کے خطرے میں اضافہ اور ایگزیما، سورائسس جیسی بیماریوں کی شدت میں اضافہ شامل ہے۔

کیا آپ کو گھر بدلنے کے بعد اچانک مہاسے نکل آئے؟ یا بریک اپ کے دوران ایگزیما اچانک بڑھ گیا؟ یہ محض اتفاق نہیں ہوسکتا۔ (خیال رہے ایگزیما ایک طبی حالت ہے جس میں جلد پر سوجن، خارش، سرخی، خشک پن اور کبھی کبھی چھالے یا چھلکے جیسی علامات ظاہر ہوتی ہیں) یہ بات طویل عرصے سے تسلیم کی جاتی رہی ہے کہ تناؤ ہماری جلد پر اثر انداز ہوتا ہے۔ لیکن پچھلے چند دہائیوں میں تحقیق نے دماغ اور جلد کے اس تعلق کو گہرائی سے سمجھا ہے، جس سے تناؤ اور جلد کی بیماریوں کے درمیان تعلق کو بہتر طور پر سمجھنے میں مدد مل سکتی ہے۔

تناؤ جلد پر کئی منفی اثرات ڈال سکتا ہے، جیسے مہاسوں کا بڑھ جانا، جلد کا خشک اور حساس ہونا، انفیکشن کے خطرے میں اضافہ اور ایگزیما، سورائسس جیسی بیماریوں کی شدت میں اضافہ شامل ہے۔ سائیکوڈرمیٹولوجسٹ ڈاکٹر عالیہ احمد کہتی ہیں، 'آپ کی جلد جسمانی اور جذباتی دونوں طرح کے تناؤ سے متاثر ہوتی ہے۔' سائیکوڈرمٹولوجی ایک نیا ابھرتا ہوا شعبہ ہے جو دماغ اور جلد کو ایک ساتھ دیکھتا ہے۔

ڈاکٹر عالیہ نہ صرف اپنے مریضوں کی جسمانی علامات بلکہ ان کی ذہنی حالت کا بھی جائزہ لیتی ہیں۔ وہ ایسے سوالات پوچھتی ہیں جیسے: موڈ، وہ کتنی بار فکرمند یا رونا محسوس کرتے ہیں، نیند کے انداز اور خوراک اور ورزش کے متعلق وغیرہ۔ ڈاکٹر احمد کہتی ہیں 'جلد کے ماہرین اکثر جاسوسوں کی طرح محسوس کرتے ہیں۔' جسم کا سب سے بڑا عضو ہونے کی وجہ سے جلد کی حالت انسان کی مجموعی صحت کا اچھا اشارہ دے سکتی ہے۔ تناؤ اور جلد کے درمیان براہ راست تعلق ہے۔

تناؤ جلد کو کیسے متاثر کرتا ہے؟

دماغ اور جلد دونوں ابتدائی جنینی مراحل میں ایک ہی قسم کی خلیات سے تیار ہوتے ہیں، اسی لیے یہ دونوں گہرائی سے جڑے ہوئے ہیں۔ جب ہم تناؤ محسوس کرتے ہیں، تو دماغ ایک سلسلہ شروع کرتا ہے جس سے کورٹیسول اور ایڈرینالین جیسے ہارمون خون میں خارج ہوتے ہیں۔ چھوٹی مقدار میں یہ 'فائٹ اور فلائٹ' کا ردعمل پیدا کرتے ہیں جو ہمیں زیادہ چوکس اور فعال بناتا ہے۔ لیکن جب یہ زیادہ ہوجاتے ہیں، تو یہ ہارمون سوزش بڑھاتے ہیں، جس سے سوزشی جلدی بیماریوں کی شدت بڑھ جاتی ہے۔ یہ ہارمون جلد کی بیرونی حفاظتی تہہ کو بھی کمزور کردیتے ہیں۔ نتیجتاً نمی جلد سے باہر نکل جاتی ہے اور پولن، خوشبو وغیرہ جیسے محرکات اندر داخل ہو جاتے ہیں، جس سے جلد خشک اور حساس ہو جاتی ہے۔ ساتھ ہی، تناؤ جلد میں اینٹی مائیکروبیل پیپٹائیڈز یعنی وہ چھوٹے ذرات جو بیکٹیریا اور وائرس کو مارنے کا کام کرتے ہیں، کی پیداوار کو کم کر دیتا ہے، جس سے انفیکشن کا خطرہ بڑھ جاتا ہے۔ کچھ مطالعات میں یہ بھی پایا گیا ہے کہ تناؤ مہاسوں کو بڑھا سکتا ہے کیونکہ یہ جلد کا تیل یعنی سیبم زیادہ پیدا کرتا ہے، جو مسام کو بند کر دیتا ہے۔ ڈاکٹر احمد کہتی ہیں کہ تناؤ نیند خراب کر دیتا ہے، اور جب اچھی نیند نہیں آتی تو جلد اپنی مرمت اور تحفظ کی صلاحیت کھو دیتی ہے۔

نقصان دہ سائیکل

تناؤ جلد کے خلیات کو ہسٹامین جیسے کیمیائی مادے خارج کرنے پر اکساتا ہے، جس سے خارش ہوتی ہے۔ ڈاکٹر احمد کہتی ہیں، 'خارش ہوتی ہے، آپ کھجلاتے ہیں، جلد مزید خراب ہوتی ہے، پھر اور زیادہ خارش ہوتی ہے۔ پھر آپ خود سے پریشان ہوجاتے ہیں کہ میں کھجلا کیوں نہیں روک پا رہا۔ اس سے تناؤ بڑھتا ہے، جو پھر خارش کو اور بڑھا دیتا ہے۔' جلد کے مسائل خود بھی تناؤ میں اضافہ کرسکتے ہیں۔ مثال کے طور پر ایگزیما میں خارش کی وجہ سے نیند نہیں آتی، لوگ تبصرے کرتے ہیں، آپ اداس ہوجاتے ہیں اور تناؤ بڑھنے سے مسئلہ مزید بڑھ جاتا ہے، اور یہی چکر چلتا رہتا ہے۔ لیکن کیا تناؤ کم کرنے سے فائدہ ہوتا ہے؟

ییل یونیورسٹی کی پروفیسر راجیتا سنہا کہتی ہیں، 'تناؤ اس وقت نقصان دہ ہو جاتا ہے جب ہمیں لگنے لگے کہ ہم اسے قابو نہیں کر سکتے۔' ایسی صورتحال میں سر درد، معدے کے مسائل، بھولنا، چڑچڑاپن یا نیند نہ آنا جیسے علامات ظاہر ہونے لگتی ہیں۔

وہ مشورہ دیتی ہیں کہ مدد لیں اور زیادہ ورزش کریں۔ باقاعدہ ورزش کورٹیسول کی سطح کو نارمل رکھنے میں مدد دے سکتی ہے۔ سخت ورزش تناؤ کے دوران کورٹیسول میں اضافے کو بھی قابو میں رکھ سکتی ہے۔ پروفیسر سنہا مائنڈفلنس میڈیٹیشن کی بھی تجویز دیتی ہیں۔ باقاعدہ مشق سے دماغ کا پری فرنٹل کارٹیکس مضبوط ہوتا ہے، جو سوچ سمجھ اور فیصلے کرنے کے لیے ذمہ دار ہے۔ کچھ مطالعات میں مائنڈفلنس تھراپی سے سورائسس جیسے امراض میں جلد کی حالت اور زندگی کے معیار دونوں میں بہتری دیکھی گئی ہے۔

کیا آپ واقعی تناؤ کا شکار ہیں؟

ڈاکٹر احمد اپنے مریضوں کو مشورہ دیتی ہیں کہ وہ مختلف طریقے آزمائیں تاکہ انھیں معلوم ہو کہ ان کے لیے کون سا سب سے مؤثر ہے۔ یہ طریقے مثلاً سونے سے پہلے بستر پر آرام دہ ورزش، فعال لوگوں کے لیے واکنگ میڈیٹیشن، یا زیادہ سوچنے والے افراد کے لیے گراؤنڈنگ تکنیک ہو سکتے ہیں۔ لیکن وہ خبردار کرتی ہیں کہ اصل میں آرام کرنا اتنا آسان نہیں جتنا لگتا ہے۔

ڈاکٹر احمد کہتی ہیں، 'میری کلینک میں بہت سے ہائی پرفارمنس لوگ آتے ہیں، چاہے دفتر کا کام ہو یا گھر پر بچوں یا بزرگ والدین کی دیکھ بھال۔' وہ بتاتی ہیں کہ یہ لوگ جم جاتے ہیں یا روز واک کرتے ہیں، لیکن جب میں پوچھتی ہوں تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ ان سرگرمیوں کے دوران بھی اپنے کام کے بارے میں سوچتے رہتے ہیں۔ ڈاکٹر احمد کہتی ہیں، 'ان سرگرمیوں کے دوران آپ کا دماغ بھی آرام کرے، یہ ضروری ہے۔' ڈاکٹر احمد آگے کہتی ہیں کہ تناؤ کم کرنے کے ساتھ ساتھ جلد کو 'چھوٹی چھوٹی ہر چیز' کی ضرورت ہوتی ہے، جیسے صحیح سکن کیئر، ضروری ادویات، اچھا کھانا، اچھی نیند، اور صحت مند طرز زندگی۔ اسے طویل عرصے تک جاری رکھنا ضروری ہے، تب ہی جلد میں مسلسل بہتری آتی ہے۔ پھر آپ خود ہی سمجھنے لگتے ہیں کہ آپ کی جلد کے مسائل کے اصل محرکات کیا ہیں۔ سائیکوڈرمیٹولوجی کا مجموعی نقطہ نظر صرف جلد ہی نہیں، بلکہ دماغ کو بھی بہتر بناتا ہے۔ ڈاکٹر احمد بتاتی ہیں، 'میں نہ صرف اپنے مریضوں کی جلد میں بہتری دیکھتی ہوں، بلکہ وہ خود بھی بتاتے ہیں کہ ان کا دماغ بھی زیادہ پرسکون اور خوش محسوس کر رہا ہے۔'

> تناؤ جلد کے خلیات کو ہسٹامین جیسے کیمیائی مادے خارج کرنے پر اکساتا ہے، جس سے خارش ہوتی ہے۔ ڈاکٹر احمد کہتی ہیں، 'خارش ہوتی ہے، آپ کھجلاتے ہیں، جلد مزید خراب ہوتی ہے، پھر اور زیادہ خارش ہوتی ہے۔ پھر آپ خود سے پریشان ہوجاتے ہیں کہ میں کھجلا کیوں نہیں روک پارہا۔ اس سے تناؤ بڑھتا ہے، جو پھر خارش کو اور بڑھا دیتا ہے۔'

(بقیہ: ٹرمپ کی ایران جنگ، فتح کے دعوے یا ایک مہنگی غلطی؟)

ٹرمپ اور نیتن یاہو کے وعدوں کے برعکس، حکومت مخالفین کو 'پتھر کے زمانے' میں دھکیلنے کی دھمکیاں اب پس پشت ڈال دی گئی ہیں اور ایران کی نئی قیادت، جو پاسداران انقلاب سے تعلق رکھتی ہے، نظام کو مزید مضبوط بنانے کا عزم رکھتی ہے۔ یہ جنگ نہ صرف فوجی طاقت کا امتحان تھی بلکہ عالمی معیشت، اتحادوں اور علاقائی استحکام کا بھی، جس کے نتائج آنے والے برسوں تک محسوس کیے جائیں گے۔ کیا یہ امریکی فتح تھی یا ایک ایسا دھوکا جس نے مشرق وسطیٰ کو مزید غیر مستحکم کردیا؟ وقت ہی بتائے گا، مگر فی الحال یہ واضح ہے کہ تبدیلیوں کا سلسلہ تھما نہیں، بلکہ نئی شکل اختیار کر چکا ہے۔

اس جنگ کے پس منظر میں امریکی خارجہ پالیسی کی تاریخی جڑیں دیکھیں تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ ٹرمپ کا یہ اقدام اوباما دور کے جوہری معاہدے کو کمزور کرنے اور سلیمانی کی شہادت جیسے واقعات کا تسلسل ہے، جو طاقت کے بجائے سفارت کاری پر مبنی نہیں تھا۔ آج جب غیر مستحکم جنگ بندی برقرار ہے تو جوہری معاملے پر کوئی ٹھوس پیش رفت نظر نہیں آتی، بلکہ ایران کی قیادت مذاکرات میں اپنے عزم کو مزید مضبوط کر رہی ہے۔ یہ صورتحال نہ صرف تہران واشنگٹن تعلقات بلکہ عالمی جوہری توازن کو بھی متاثر کر رہی ہے، جہاں آئی اے ای اے جیسی اداروں کی رائے یہ ہے کہ فوجی حل ناکافی ہے۔ ایرانی اسلحے کے ذخائر کی باقیات، جو لیک رپورٹس کے مطابق نصف سے زیادہ ہیں، یہ ظاہر کرتی ہیں کہ فوجی تباہی کے دعوے مبالغہ آمیز تھے اور ایران اب بھی میزائل اور ڈرون داغنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ یہ حقیقت ٹرمپ انتظامیہ کے بیانیے کو کمزور کرتی ہے اور تجزیہ کاروں کو یہ سوچنے پر مجبور کرتی ہے کہ کیا یہ جنگ دراصل ایک طویل المدتی سٹریٹجک غلطی تھی جو علاقائی طاقتوں کو مزید متحد کر رہی ہے۔

جنگ کی معاشی قیمت کا اندازہ لگاتے ہوئے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ آبنائے ہرمز کی بندش نے عالمی تیل کی سپلائی کو متاثر کیا، جس سے نہ صرف امریکہ میں پیٹرول کی قیمتیں بڑھیں بلکہ یورپ اور ایشیا کی معیشتیں بھی دباؤ میں آئیں۔ ایران نے اسے اپنے لیے ایک معاشی ہتھیار بنالیا، جہاں چند جہازوں سے ٹول وصول کرکے اربوں ڈالر کا فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے۔ یہ حکمت عملی نہ صرف خلیجی ریاستوں کے لیے خطرہ ہے بلکہ عالمی تجارت کے توازن کو بھی تبدیل کر رہی ہے، جہاں چین جیسے ممالک ایران کے ٹینکرز کو اجازت دے کر اپنے مفادات محفوظ کر رہے ہیں۔ ٹرمپ کی داخلی سیاست میں یہ جنگ ایک بوجھ بن گئی ہے، جہاں کانگریس میں 25ویں ترمیم کے مطالبات، عوامی غصہ اور ری پبلکن پارٹی کی ممکنہ شکست کے خطرات موجود ہیں۔ سیکریٹری خارجہ مارکو روبیو اور ہیگسیتھ کے بیانات امن کی تلاش کا دعویٰ کرتے ہیں مگر حقیقت میں سیاسی دراڑیں بڑھ رہی ہیں۔

نیتن یاہو کی جارحانہ پالیسی، جو لبنان پر حملوں کو جاری رکھے ہوئے ہے، مذاکرات کی کامیابی کو خطرے میں ڈال رہی ہے۔ اسرائیل کی جانب سے جنوبی لبنان پر قبضہ اور غزہ طرز کے تباہ کن حملے علاقائی استحکام کو مزید کمزور کر رہے ہیں، جبکہ ایران یہ مطالبہ کر رہا ہے کہ جنگ بندی لبنان پر بھی لاگو ہو۔ یہ تنازع ٹرمپ کی حکمت عملی کی الجھن کو نمایاں کرتا ہے، جہاں ایک طرف اسرائیل کو روکنے کی کوشش ہے تو دوسری طرف اتحادی کی جارحیت کو کنٹرول نہیں کیا جا سکتا۔ ایرانی عوام، جو اس سب کا سب سے بڑا شکار ہیں، حکومت کی مضبوطی کے سامنے بے بس نظر آ رہے ہیں اور مستقبل ان کے لیے صرف مشکلات کا وعدہ رکھتا ہے۔ یہ جنگ مشرق وسطیٰ کو تبدیل کر رہی ہے، جہاں خلیجی ریاستوں کی جدیدیت متاثر ہوئی، اتحادوں پر نظر ثانی ہو رہی ہے اور چین روس جیسے طاقتوں کا اثر بڑھ رہا ہے۔

آخر میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ ٹرمپ کا 15 نکاتی منصوبہ اور نیتن یاہو کی خواہشات کے باوجود، مشرق وسطیٰ میں تبدیلیوں کا سلسلہ ابھی تھما نہیں بلکہ نئی شکلوں میں جاری ہے۔ یہ جنگ امریکی مقاصد کی تکمیل کا اعلان تو کرتی ہے مگر اس کی قیمت، نتائج اور طویل مدتی اثرات ابھی تک کھل کر سامنے نہیں آئے۔ عالمی برادری، جو اس تنازع سے پریشان ہے، امید کر رہی ہے کہ اسلام آباد کے مذاکرات ایک پائیدار امن کا راستہ نکالیں گے، ورنہ یہ الجھن مزید گہری ہو سکتی ہے۔ تاریخ گواہ ہے کہ مشرق وسطیٰ کی ایسی جنگیں کبھی ایک طرفہ فتح نہیں لاتیں بلکہ نئی پیچیدگیاں پیدا کرتی ہیں، اور یہ جنگ بھی اسی تسلسل کا حصہ لگتی ہے جہاں فتح کے دعووں کے پیچھے حقیقت کی تلخی چھپی ہوئی ہے۔

ترقی یافتہ اور جدید سمجھی جانے والی ہزاروں برس قدیم وادیِ سندھ کی تہذیب کا خاتمہ کیسے ہوا؟

وادی سندھ کی تہذیب کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اس کا ترقی کا دور 1900 سے 2600 قبل مسیح پر محیط تھا۔ بہت سے ماہرین کا خیال ہے کہ یہ معاشرہ (وادی سندھ کی تہذیب) اُس وقت دُنیا میں موجود کئی معاشروں سے بہتر تھا اور اس کا رہن سہن اور جدت اسے دیگر تہذیبوں سے ممتاز کرتی تھی۔

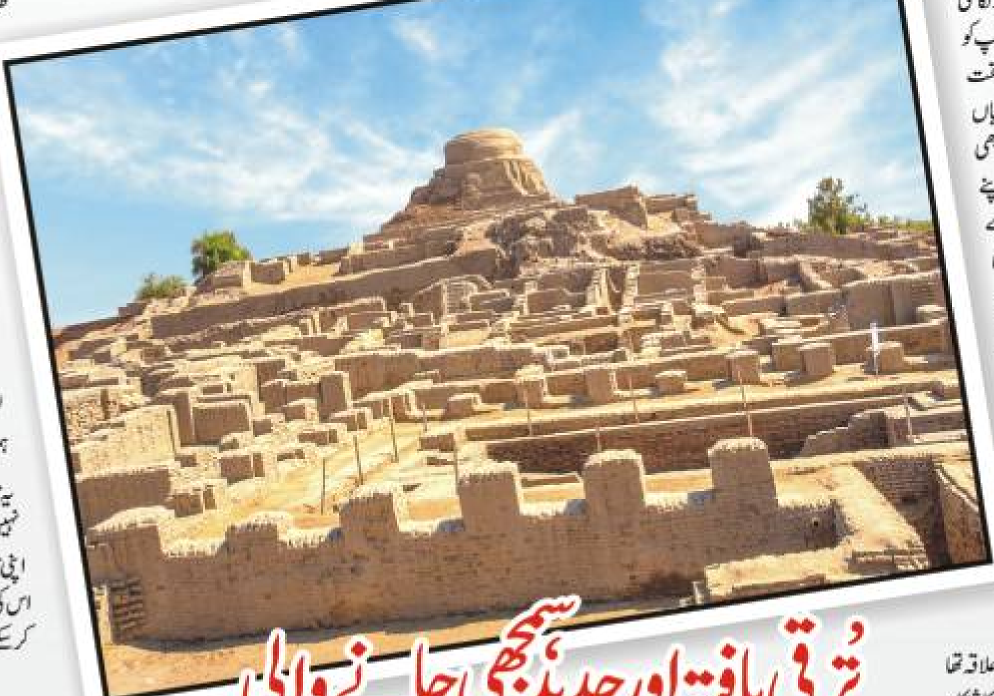

عطاء محمد کاکڑ

کثیر منزل اینٹوں سے بنے گھر، ایک جیسی گلیاں اور نکاسی آب کا بہترین نظام اور فلشنگ ٹوائلٹس۔۔۔ یہ آپ کو ایک جدید شہر کی علامات لگ رہی ہوں گی، لیکن درحقیقت یہ ہزاروں سال قبل وادی سندھ کی تہذیب کی نشانیاں ہیں، جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ تہذیب بھی اسی زمانے میں تھی، جب قدیم مصر کی تہذیب اپنے عروج پر تھی۔ لیکن وادی سندھ کی تہذیب کے بارے میں قدیم مصر کی تہذیب کے مقابلے میں ہم کم ہی جانتے ہیں۔ بہت سے ماہرین کا خیال ہے کہ یہ معاشرہ (وادی سندھ کی تہذیب) اُس وقت دُنیا میں موجود کئی معاشروں سے بہتر تھا اور اس کا رہن سہن اور جدت اسے دیگر تہذیبوں سے ممتاز کرتی تھی۔ وادی سندھ کی تہذیب کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اس کا ترقی کا دور 1900 سے 2600 قبل مسیح پر محیط تھا۔ یونیورسٹی آف آکسفورڈ اور یونیورسٹی کالج لندن کے لیکچرار ڈاکٹر سنگارا لنگم ریمش کہتے ہیں کہ چار ہزار قبل مسیح سے پہلے بھی اس تہذیب کا وجود تھا۔ اس کا مرکز دریائے سندھ کے ارد گرد کا وہ علاقہ تھا جو اب پاکستان اور انڈیا میں موجود ہے۔ یہ دیہاتی کاشتکار برادریوں کے ساتھ ساتھ 1400 سے زیادہ قصبوں اور شہروں پر مشتمل تھا، جن میں سب سے بڑا علاقہ ہڑپہ اور موئن جو دڑو تھا۔ ڈاکٹر ریمش کہتے ہیں کہ وادی سندھ کی تہذیب قدیم مصر اور قدیم میسوپوٹیمیا (موجودہ عراق) کی تہذیبوں سے کافی بڑی تھی۔ 80 ہزار بستیوں پر مشتمل اس تہذیب میں تقریباً 10 لاکھ باشندے تھے اور انھیں چند وجوہات کی بنا پر بہت ترقی یافتہ سمجھا جاتا تھا۔

جدید شہری منصوبہ بندی

ماہرین کا کہنا ہے کہ ہزاروں سال قبل یہاں اینٹوں سے بنے پکے گھر اور اجتماعی حکومت کا نظام تھا۔ ڈاکٹر ریمش کے مطابق وادی سندھ کی تہذیب کا شمار ان اولین آبادیوں میں ہوتا ہے جہاں اینٹ کے ذریعے گھر بنانے کا سلسلہ شروع کیا گیا اور یہ لوگ گھر بنانے کے لیے ایک ہی حجم کی اینٹیں استعمال کرتے تھے۔ وہ کہتے ہیں کہ یہاں شہروں کو ایک ہی جیسی گلیوں اور سیدھے زاویوں پر تعمیر کیا گیا تھا۔ یہاں کنویں بھی تھے جبکہ گھروں میں لیٹرینیں (باتھ روم) تھیں جبکہ بہترین سیوریج سسٹم بھی موجود تھا۔

ڈاکٹر ریمش کہتے ہیں کہ غسل خانوں کے طرز تعمیر اور سیوریج سسٹم سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ تہذیب گندے پانی سے ہونے والی بیماریوں کے بارے میں شعور رکھتی تھی اور صفائی پر زور دیتی تھی۔ اس تہذیب میں شہری آبادی کے پھیلاؤ سے ظاہر ہوتا تھا کہ یہاں ذرائع آمدورفت فعال تھے جس کے نتیجے میں تجارت کی راہ بھی ہموار ہوئی۔ ڈاکٹر ریمش کہتے ہیں کہ 'وادی سندھ کی تہذیب کے لوگ قدیم میسوپوٹیمیا کے ساتھ لکڑی، موتیوں، تانبے، سونا اور کپاس کی تجارت کرتے تھے۔'

اجتماعی حکومت

اس لیرا کوٹا مجسمے سمیت وادی سندھ کے مقامات سے بہت کچھ کھود کر نکالا گیا ہے لیکن ابھی بھی بہت کچھ ہے، جو ہم نہیں جانتے ریمش کہتے ہیں کہ آثار سے پتہ چلتا ہے کہ یہاں شہری علاقوں کی طرز پر ایک بہترین شہری حکومت موجود تھی۔

'یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ یہ ایک اچھی طرح سے کام کرنے والی شہری اتھارٹی تھی، جو شہروں اور بستیوں کے بنیادی ڈھانچے کی دیکھ بھال اور تعمیر پر مامور تھی۔' وہ کہتے ہیں کہ ان کا طرز حکمرانی کسی فرد واحد تک محدود نہیں تھا یعنی کوئی حکمران اشرافیہ نہیں تھی، بلکہ اس میں اجتماعیت کی جھلک نظر آتی تھی یعنی زیادہ سے زیادہ لوگ حکومت کا نظم و نسق سنبھالے ہوئے تھے۔ ان کے بقول یہ چیز وادی سندھ کی تہذیب کو دیگر معاشروں اور تہذیبوں سے الگ کرتی تھی۔ آثار بتاتے ہیں کہ یہاں مصر میں فرعون یا میسوپوٹیمیا کے بادشاہوں کی طرح کا کوئی حکمران نہیں تھا اور نہ ہی کوئی بڑے شاہی محل یا عمارتیں تھیں۔ ڈاکٹر ریمش کے بقول مصر اور میسوپوٹیمیا میں طاقت ایک شخص تک مرکوز تھی اور ان تہذیبوں کی پرانی عمارتوں میں بھی اسی کی جھلک نظر آتی ہے، جہاں نوکر شاہی اور شاہی نمائش کا عنصر بھی نمایاں تھا۔

پُر امن خطہ

اس بات کا ثبوت موجود ہے کہ وادی سندھ میں کسی حد تک سماجی درجہ بندی تھی، لیکن یہ اُس وقت کے دیگر معاشروں کے مقابلے میں انتہائی کم تھی۔ ریمش کہتے ہیں کہ 'مصر اور میسوپوٹیمیا کے آثار کے ذریعے سماجی درجہ بندی کا پتہ لگانا آسان ہے، لیکن سندھ میں گھروں کے حجم میں فرق موجود ہے، لیکن اس بات کی نشاندہی کرنا مشکل ہے کہ یہاں طبقاتی فرق کتنا وسیع تھا۔

ریمش کہتے ہیں کہ آثار قدیمہ کے ماہرین کو کچھ ایسے انسانی ڈھانچے ملے ہیں، جس سے تشدد کے کچھ شواہد ملتے ہیں، تاہم کچھ ماہرین کا خیال ہے کہ سندھ کی تہذیب دوسرے معاشروں کے مقابلے میں زیادہ پر امن تھی۔

ریمش کہتے ہیں کہ یہاں کسی بڑی جنگ کے آثار نہیں ملتے، حالانکہ دیگر قدیم معاشروں میں یہ عام تھا۔

لیکن ڈاکٹر ریمش تسلیم کرتے ہیں کہ 'اگر ہمیں کسی تشدد کے نشان نہیں ملتے تو اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ یہاں کبھی ایسا ہوا ہی نہیں ہو گا۔ ان کے بقول اگر کوئی معاشرہ اپنی جنگوں کو زیادہ نمایاں نہیں کرتا یا تاریخ میں اس کی کوئی نشانی نہیں ملتی تو ہم یہ سمجھنے میں غلطی کر سکتے ہیں کہ وہ پر امن تھے یا نہیں۔'

پراسرار باقیات

لیکن ہم ابھی بھی وادی سندھ کی تہذیب کے بارے میں بہت کچھ نہیں جانتے ہیں۔ ریمش کہتے ہیں ابھی بھی بہت سی کھدائی نہیں ہو سکی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اب بھی مغربی انڈیا میں ایسے مقامات کی تلاش کی جا رہی ہے، کیونکہ یہ قدیم تہذیب افغانستان تک پھیلی ہوئی تھی اور افغانستان کی موجودہ صورتحال کی وجہ سے اس وقت اس تہذیب سے متعلق کھنڈرات کی کھدائی کرنا بہت مشکل ہے۔

ریمش کہتے ہیں کہ مصر اور میسوپوٹیمیا کی تہذیبوں کے آثار سے وہاں کی تہذیبوں کے بارے میں معلومات اکٹھی کرنے میں آسانی ہوئی، کیونکہ انھوں نے وہاں پتھر کی پائیدار یادگاریں چھوڑی ہیں۔ لیکن دوسری جانب سندھ تہذیب میں بڑے پیمانے پر مٹی کی اینٹوں اور پکی اینٹوں کا استعمال کیا گیا تھا۔ وہ کہتے ہیں کہ 'بڑے پتھروں، محلات یا شاہی مقبروں کے بغیر سندھ تہذیب کے بارے میں زیادہ

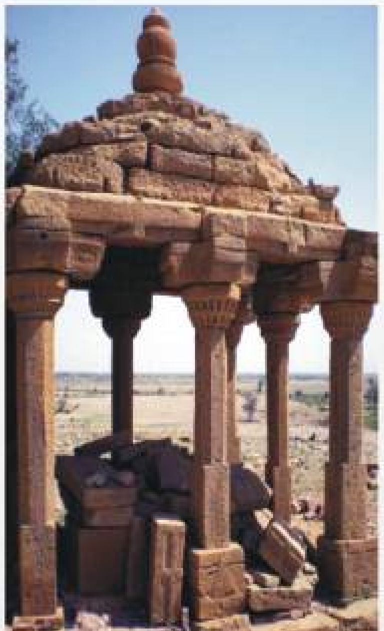

جاننا مشکل ہے اور یہ اس لیے بھی مشکل ہے کہ ہم یہاں کا رسم الخط سمجھنے میں بھی مکمل طور پر کامیاب نہیں ہو سکے۔'

اس تہذیب کے ساتھ ہوا کیا؟

وادی سندھ کی تہذیب کے زوال کے اہم نظریات میں سے ایک ماحولیاتی تبدیلی ہے۔ ریمش کہتے ہیں کہ 'یہ مقامات 1900 قبل مسیح کے آس پاس چھوڑے جانے لگے تھے اور ماہرین آثار قدیمہ اور موسمیاتی تبدیلی کے ماہرین اس کی وجہ مون سون سیزن میں آنے والی تبدیلیوں کو قرار دیتے ہیں۔' وہ کہتے ہیں کہ موئن جو دڑو میں کھدائی سے یہ ثبوت بھی ملے ہیں کہ اس تہذیب کے ختم ہونے سے قبل لوگ سیلاب کے اثرات کو کم کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔

ریمش کا خیال ہے کہ وادی سندھ کی تہذیب کو سمجھنے سے جدید معاشروں پر اثرات مرتب ہو سکتے ہیں، کیونکہ اگر ہمالیہ کے گلیشیئرز آج تیزی سے پگھل جائیں تو تاریخ اپنے آپ کو دہرا سکتی ہے۔

ان کے مطابق، سندھ کی تہذیب میں رائج اتفاق رائے پر مبنی طرز حکمرانی یعنی گورننس انھیں بچانے کے لیے کافی نہیں تھی۔ لیکن آج کے دور کے جدید معاشرے موسمیاتی تبدیلیوں سے بچنے کے لیے کہیں بہتر اقدامات کر سکتے ہیں۔ ڈاکٹر ریمش کے بقول 'سندھ تہذیب کے لوگوں کے پاس یہ جاننے کی ٹیکنالوجی نہیں تھی کہ اصل میں ہو کیا رہا تھا۔ لیکن آج ہمارے پاس یہ تکنیکی صلاحیت موجود ہے۔ ہم اپنی ٹیکنالوجی کو زیادہ دانشمندی سے استعمال کر سکتے ہیں تاکہ ہماری تہذیب برقرار رہ پائے۔'

> ڈاکٹر ریمش کہتے ہیں کہ غسل خانوں کے طرز تعمیر اور سیوریج سسٹم سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ تہذیب گندے پانی سے ہونے والی بیماریوں کے بارے میں شعور رکھتی تھی اور صفائی پر زور دیتی تھی۔ اس تہذیب میں شہری آبادی کے پھیلاؤ سے ظاہر ہوتا تھا کہ یہاں ذرائع آمدورفت فعال تھے جس کے نتیجے میں تجارت کی راہ بھی ہموار ہوئی۔ 'وادی سندھ کی تہذیب کے لوگ قدیم میسوپوٹیمیا کے ساتھ لکڑی، موتیوں، تانبے، سونا اور کپاس کی تجارت کرتے تھے۔'